چلتے چلتے

(منتخب کالموں کا مجموعہ)

[جلد : 3]

شہزادہ بسملؔ

Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چلتے چلتے

(منتخب کالموں کا مجموعہ)

[جلد : 3]

*

مصنّف

شہزادہ بِسملؔ

ناشر

تبسم پبلی کیشنز

A-1-115 محلہ ابراہیم بمنہ سرینگر 190018

فون نمبر: 9596041360

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	چلتے چلتے (جلد:3)
نوعیت	:	منتخب کالموں کا مجموعہ
مصنف	:	شہزادہ بسمل (9419475995, 9596041360)
سائز	:	23X36/16
صفحات	:	280
باراوّل	:	2022ء
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	TFC سنٹر گاؤ کدل سرینگر 7006575292
طباعت	:	الحیات پرنٹو گرافرس سرینگر 9906662404
قیمت	:	عام ایڈیشن : 300روپے
		لائبریری ایڈیشن : 450روپے

Chaltay Chaltay (Vol. : 3)
(Collection of Selected Columns)
by : *Shahzada Bismil*

ناشر

تبسم پبلی کیشنز

A-1-115 محلہ ابراہیم بمنہ سرینگر 190018

فون نمبر: 9596041360

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ .....ڈاکٹر جوہر قدوسی	07
۲	نوج	11
۳	دیوار ہجر	19
۴	شردھا ماتا	25
۵	مومی قبرستان	31
۶	چلتی پھرتی لاشیں	37
۷	ہنستے زخم	45
۸	چٹون	53
۹	ہوئے مر کے ہم جو رسوا	59
۱۰	سوزِ دروں	65
۱۱	جب لاد چلے گا بنجارا	73
۱۲	آٹھویں صلیبی جنگ	79
۱۳	اول اللہ نام اُپایا	87
۱۴	وقت کا دھارا	95
۱۵	ٹائی ٹان	101
۱۶	نور کی بے قدری	107
۱۷	تعزیرات کے ڈنڈے	113
۱۸	عید کے تحفے	119

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۱۹	دل دریا سمندروں ڈونگے	125
۲۰	لالہ صحرا	133
۲۱	گیلنٹری ایوارڈ	141
۲۲	روزنِ زنداں	149
۲۳	راکھ کا ڈھیرا	159
۲۴	دو بھائی دو انسان	165
۲۵	تماشائے اہلِ کرم	173
۲۶	سامراجیت کے شُول	179
۲۷	صرف دو منٹ میں	191
۲۸	میٹھے رشتے	197
۲۹	چینی پیر	203
۳۰	عالی ظرف عالی شان	211
۳۱	بھر دے جھولی اللہ نام	217
۳۲	کچھ تو شرم کرو	223
۳۳	شمعِ فروزاں	229
۳۴	چھوٹی چھوٹی مگر بڑی باتیں	235
۳۵	ناشکرا ہے انسان	241
۳۶	اللہ ہی مولا ہے	247
۳۷	کیا شرمسار سجدوں نے	257
۳۸	یہ رات اندھیری ہے	263
۳۹	پندار کا صنم کدہ	269
۴۰	نشاۃ ثانیہ	275

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اِنتساب

اُن خوابوں کے نام
جو خواب ——
خواب ہی رہے ——
اور
شرمندہ تعبیر
کبھی نہیں ہوئے۔

بسمل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

*

نکھر آئی نکھار آئی سنور آئی سنوار آئی
گلوں کی زندگی لے کر گلستان میں بہار آئی

اسیرانِ قفس کو واسطہ کیا ان جھمیلوں سے
چمن میں کب خزاں آئی چمن میں کب بہار آئی

(نوحؔ ناروی)

*

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پیش لفظ

محترم شہزادہ بسمل صاحب کے منتخب کالموں کے مجموعے ''چلتے چلتے'' کی تیسری جلد یا یوں کہیے کہ اُن کے منتخب کالموں کا تیسرا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اِس سے جموں وکشمیر کے اُردو دوست خطّے میں اُردو کالم نگاری کی ایک نئی تاریخ رقم ہو رہی ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ ایک ہی مصنف کے قلم سے ایک ہی نام سے مسلسل تیسرا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے، بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ پہلی بار زندگی کے ہفت رنگی تجربات، ژرف نگاہ محسوسات اور باریک بین مشاہدات کے نتیجے میں ایک نہایت ہی دلکش اسلوب اور حسین پیرایے میں حیات آموز اور حیات آمیز کالم پڑھنے کو مل رہے ہیں۔ میرے دعوے کی دلیل خود بخود سامنے آئے گی، جب آپ فہرستِ عنوانات پر ایک نظر ڈال کر کتاب کے اگلے صفحات میں بسمل صاحب کے چنیدہ کالموں کا مطالعہ فرمائیں گے۔ آپ ان کو پڑھ کر نہ صرف محظوظ ہوں گے، بلکہ مستفیض بھی۔

یادش بخیر .... آج سے بائیس تئیس سال قبل (اگست ۱۹۹۹ء میں) راقم الحروف کو اُن کی دو کتابوں ''آنحضرتؐ: (قدیم ہندو صحائف میں ذکرِ پیغمبرِ آخرالزماںؐ)'' اور ''مجھے بچاؤ'' (جھیل ڈل کی کہانی، خود اُسی کی زبانی) کی تقریظ لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، تو راقم ناچیز نے اوّل الذکر کتاب کے آغاز میں ''سخن ہائے گفتنی'' کے زیرِ عنوان دیگر باتوں کے ساتھ یہ الفاظ بھی تحریر کیے تھے:

''ڈرامائی صورت میں دفترِ شاہی کی موشگافیاں حل کرنے والی اِس پراسرار شخصیت کا نام نامی غلام قادر خان ہے، جو ادبی دُنیا میں شہزادہ بسمل کے قلمی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نام سے کئی مرحلہ ہائے شوق طے کر چکے ہیں۔ بسمل صاحب قلم کے دھنی ہیں۔ کثیر نویس ہیں اور زود نویس بھی۔ وہ بیک وقت کئی اصنافِ ادب کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ فکاہیہ ادب میں ان کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ تحقیق میں وہ اس فن کے تمام مقتضیات سے واقف ہیں۔ انشائیہ نگاری کو انہوں نے ایک نئی طرح دی ہے۔ افسانہ نویسی (کشمیری، اُردو، ہندی) ان کا خاص میدان ہے..... دسیوں انشائیے، درجنوں افسانے، بیسیوں فکاہیے اور متعدد مقالے لکھنے کے بعد وہ اب میدانِ تحقیق میں اتر گئے ہیں اور چند نئے اور منفرد موضوعات پر اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کا لوہا منوانے جا رہے ہیں.....'' (آنحضرتؐ [سخن ہائے گفتنی]، ص ۱۱)

ظاہر ہے کہ بائیس سال کی طویل مدت میں بسمل صاحب نے قرطاس و قلم کے دشت کی سیاحی میں بہت کچھ حاصل کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ contribute کیا ہے۔ اس دوران اُن کے تخلیقی جوہر نکھرتے رہے اور دیگر اصناف کے ہمراہ کالم نویسی کے میدان میں بھی انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ چنانچہ اُن کی تحریروں کا مطالعہ کر کے پتہ چلتا ہے کہ زبان و بیان پر قدرت، موضوعات کے انتخاب کی ندرت، عنوانات کی جدت، اسلوبِ نگارش کی انفرادیت، پیش کش کا بانکپن اور نایاب اشعار کا جابجا برمحل استعمال-- بسمل صاحب کی کالم نگاری کی چند نمایاں خصوصیات میں شامل ہے۔

کئی دہائیوں میں لکھے گئے اُن کے منتخب کالموں کا پہلا مجموعہ ''چلتے چلتے'' سال 2019ء کے اواخر میں منظرِ عام پر آ گیا، جس کو ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس سے قبل 2018ء کے وسط میں اُن کے دو افسانوی مجموعے: ''رقصِ بسمل'' اور ''خوشبو کی موت'' منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ 288 صفحات پر مشتمل ''چلتے چلتے'' کی دوسری جلد 2021ء کے اوائل میں شائع ہوئی۔ اور اب اسی سلسلے کی تیسری کڑی کے طور پر زیرِ نظر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجموعہ ''چلتے چلتے — 3'' منظر عام پر آرہا ہے، جو 280 صفحات پر مشتمل ہے اور اپنی متنوع خصوصیات اور بسمل صاحب کے منفرد اسلوبِ بیان کی بناء پر یقیناً باذوق قارئین اور دقیقہ رس ناقدین کی نگاہِ التفات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا، اِن شاء اللہ۔

اُردو کالم نویسی یا کالم نگاری وہ صنف ہے، جس نے بیسویں صدی میں کافی عروج حاصل کیا۔ چنانچہ فی الوقت کالم نگاری کا دائرہ کار اور دائرہ عمل اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ اس کی سماجی و سیاسی، تہذیبی و تمدنی، اخلاقی اور ہمہ گیر وسعت اور معنویت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ بقول شخصے: کالم نگاری نہ ادب و شاعری ہے، نہ تقریر و خطابت کا نام ہے، اور نہ سیاست کا، بلکہ یہ حکایت و داستاں سرائی ہے۔ یہ بیک وقت صحافت و ادب بھی ہے اور شاعری بھی، کالم نگاری داستاں گوئی بھی۔ یہاں تک کہ وہ تقریر و خطابت کی شعلہ سامانی کو اپنے دامن وسیع میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کالم نگار کا قلم کبھی شعلے برساتا ہے اور کبھی شبنم، تو کبھی معاشرے کے ناسور پر نشتر لگاتا ہے اور کبھی دلوں پر مرہم رکھتا ہے۔ پاکستان کی اُردو صحافت میں اس صنف کو اتنی پذیرائی حاصل ہوئی کہ وہاں روزانہ جو بیسیوں اخبارات شائع ہوتے ہیں، اُن میں ہر اخبار میں اوسطاً دس بارہ تازہ تازہ کالم قارئین کی نذر کیے جاتے ہیں۔

جہاں تک کشمیر کی اُردو صحافت کا تعلق ہے، یہاں کے بیشتر اخبارات نے ایک منظم انداز میں کالم نگاری کو فروغ دینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ گزشتہ دو عشروں میں لے دے کے روزنامہ ''کشمیر عظمیٰ'' ہی وہ پہلا اخبار نظر آتا ہے، جس نے کسی قدر اہتمام کے ساتھ کالم نگاری کی اشاعت و ترویج کے لیے ادارتی سطح پر کوششیں کیں۔ چنانچہ بسمل صاحب کے بیشتر کالم، جو زیر نظر مجموعے (اور اُن کے ماقبل دو مجموعوں) میں شامل ہیں، اسی اخبار کے صفحات میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ شاید اسی اخبار کی دیکھا دیکھی چند دیگر مقامی اُردو اخبارات نے بھی اس جانب توجہ دی اور اپنے صفحات کالم نگاروں کے لیے وقف کر دیے۔ جموں کے اُردو روزناموں نے، البتہ، کالم نگاری کو بہت فروغ دیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُمید کی جانی چاہیے کہ بسمل صاحب کا رشتہ آئندہ بھی قرطاس وقلم کے ساتھ پائیدار واستوار رہے گا اور اُن کے فکروفن کے شاہکار قارئین کی راہیں روشن کرتے رہیں گے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، بسمل صاحب کی جھولی بھری پڑی ہے، اُن کے کالموں، انشائیوں، افسانوں اور فکاہیات کے کئی مجموعوں کے مسودوں سے، جو ہنوز منتظرِ اشاعت اور تشنۂ طباعت ہیں۔ اُن کا یہ ادبی سرمایہ دبستانِ کشمیر کے اُردو ادب کے لیے گنج ہائے گراں مایہ اور قابل قدر اثاثے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ کرے کہ ان نایاب موتیوں کی اشاعت وطباعت کا انتظام جلد از جلد ہو جائے۔

2021ء کے آخری مہینوں میں بسمل صاحب کو ایک عارضے کے سبب مشکل حالات سے گزرنا پڑا۔ افاقہ ہوتے ہی ضعفِ جسمانی کے باوجود انہوں نے پھر سے قرطاس وقلم کو گلے لگایا اور زیرِ نظر مجموعہ اور اس کے ساتھ ہی فکشن کا ایک اور مجموعہ ''سوزِ بسمل'' طباعت کے لیے تیار کر لیے، جو اَدب کے تئیں اُن کی والہانہ وابستگی کا غماز ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُن کو شفائے عاجلہ وکاملہ عطا فرمائے اور صحتِ کامل کے ساتھ اُن کو زبان وادب کی بیش از بیش خدمت کرنے کے مواقع عطا فرمائے، آمین ثم آمین، یارب العالمین۔ قارئین سے بھی دُعا کی درخواست ہے۔

میں ذاتی طور پر اِس پیرانہ سالی میں بسمل صاحب کی مثبت سوچ، جذبِ دروں، جوشِ جنوں اور عالی ہمتی کو سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ اللہ اُن کو سلامت رکھے۔

یکم جنوری 2022ء

ڈاکٹر جوہر قدوسی
مدیر ''الحیاۃ''
[سابق پرنسپل: گورنمنٹ ڈگری کالج، جنوبی کشمیر]

***

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نوج

اکبر ڈرے نہیں کسی سلطان کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوج سے
(اکبر الہ آبادی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نوج

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لڑائی جھگڑا تو نہیں کہہ سکتے البتہ ہمارے درمیان کبھی کبھی رنجشیں رہتی ہیں کیونکہ اٹھارہ جون کی تاریخ کو ہماری بیگم اکثر کوستی رہتی ہیں۔ اُس دن وہ ہمارے گھر دُلہن بن کر آئیں تھیں اور اُس تاریخ سے بیر رکھنے کی وجہ شاید یہی ہو کہ شادی کے بعد ہم اُسے پسند نہ آئے ہوں یا اُسے وہ چیزیں نہ ملی ہوں جن کی اُس کو توقع تھی۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اُسے آرام و آسائش بہتر طور پر دستیاب نہ ہو یا وہ معمول کے گھریلو کام کاج کو بارِ گراں سمجھتی ہوں۔ بہر حال معاملہ جو بھی ہو وہ اپنے شادی والے دن کو کوستی رہتی ہے۔ ہم نے کئی بار اُسے سمجھایا کہ وقت کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیے کیونکہ دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی رب کائنات کی ایک تخلیق ہے اور ایسی تخلیق ہے جس میں کئی علوم جنم لیتے ہیں۔ کئی عالم و فاضل پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی کی گاڑی رواں دواں رہتی ہے اور اپنا وقت پورا کرنے پر موت کا بھونپو بجاتی ہے۔ حیات کروٹ لیتی ہے اور سانسیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ڈولیاں سجتی ہیں اور جنازے اٹھتے ہیں۔ شہنائیاں بجتی ہیں اور مرثیے پڑھے جاتے ہیں، چراغاں ہوتے ہیں اور اندھیرے چھا جاتے ہیں۔ لباس فاخرہ زیب تن کئے جاتے ہیں اور کفن پہنائے جاتے ہیں۔ جام چھلکتے ہیں اور پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں۔ عہد و پیمان ہوتے ہیں اور وعدے پٹ جاتے ہیں۔ مہندی رچتی ہے اور چوڑیاں ٹوٹتی ہے۔ افشاں سجتی ہے اور بیوگی منڈلاتی ہے۔ پیار پنپتا ہے اور بیوفائی چیختی ہے، بے انصافی ہوتی ہے اور انصاف اپنی آنکھوں پر کالی پٹی چڑھا کر دہائی دیتا ہے۔ بیمار شفایاب ہو جاتا ہے اور اچھا بھلا راہیٔ ملک عدم ہو جاتا ہے۔ گرا ہوا اُٹھ کر سنبھل جاتا ہے اور سنبھلا ہوا ڈھیر ہو جاتا ہے۔ بدمعاش کا آگھمن ہوتا ہے اور شریف کی گت بنتی ہے۔ آسودہ حال لاچارگی کی ہاہا کار مچاتا ہے اور مستحق اپنی وضع داری میں مارا جاتا ہے۔ کہکشائیں پھوٹتی ہیں اور سٹیلائٹ داغے جاتے ہیں۔ قرآن الماریوں میں بند ہو جاتے ہیں اور ٹیلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ویژن طاقوں پر سجتے ہیں۔ مرد پریشان حال پھرتے ہیں اور مستورات کار دنیا سنبھالتی ہیں۔ اب اور کیا کیا بتاؤں ——— قرآن شریف کی شہادت موجود ہے کہ رب کائنات نے وقت کی قسم اٹھائی ہے۔ جس سے وقت کی اہمیت، افادیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ معروف شاعر ساحر لدھیانوی نے بھی کہا تھا۔

وقت سے دن اور رات
وقت سے کل اور آج
وقت کی ہر شئے غلام
وقت کا ہر شئے پر راج
آدمی کو چاہیے وقت سے ڈر کر رہے
کون جانے کس گھڑی وقت کا بدلے مزاج

مگر میری باتوں سے بیگم کبھی قائل نہ ہوئی اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ وہ کہتی رہی میں سنتا رہا۔ میں کہتا رہا اور وہ سنتی رہی اور کبھی کبھی ہم دونوں کہتے رہے اور محلہ سنتا رہا ——— اور وقت کا دھارا آگے ہی آگے کو بہتا رہا۔ مگر آخر کب تک؟ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ابھی چند روز قبل میں نے مصلحت کو ایک طرف رکھ کر اُسے سمجھانا شروع کیا۔ بڑی مشکل سے بات سُننے کے لیے آمادہ ہوئی۔

"دیکھو میری باتوں کو غور سے سنو۔ آج تک تمہاری دل آزاری کو ملحوظ نظر رکھ کر میں برداشت کرتا رہا اور مصلحت سے کام لے کر ہمیشہ چپ ہی رہا۔ یہ بھی ڈر لگا رہتا تھا کہ دستار کی جو ایک لاٹ بچی ہے وہ بھی نہ اُتر جائے۔ مگر آج میں چند حقائق سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ تم اُس دن کو کوستی رہتی ہو جو تمہاری شادی کا دن تھا، ہماری زندگی کا ایک اہم دن جس کو لوگ عموماً زندگی بھر یاد رکھتے ہیں۔ بے شک کوستی رہو مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہماری شادی ہوئے کافی عرصہ ہوگیا اب تو بچوں کی شادی کا فکر کرنے کے دن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔ مگر یہ بات غور سے سُن لو اور ذہن نشین کرلو کہ کچھ لوگ اُس دن کی بلائیں لیتے ہیں۔ دعائیں دیتے اور خیر مناتے ہیں اور اُس دن کو عید کا دن مان کر لکی نمبر بھی اٹھارہ کو ہی مانتے ہیں۔

بیگم غصے سے دہاڑی ——————

''کیا مطلب ہے آپ کا۔ کون لوگ اُس دن کی بلائیں لیتے ہیں''۔

''مطلب صاف ہے آپ کے مائیکے والے۔ دیکھو، دیکھو ناراض نہ ہو پہلے میری بات تو سُن لو۔ تمہارے مائیکے والے اٹھارہ جون کو دعائیں دیتے ہیں کیونکہ اُس دن تمہاری تشریف آوری ہمارے گھر میں ہوئی اور اُن کی لاٹری کھل گئی۔ وہ اس طرح کہ اُن کے وارے نیارے ہو گئے۔ واہ ری قسمت میرے گھر میں اُن کے لیے تھری سٹار ہوٹل کھل گیا (فائیو سٹار والی سہولیات فراہم کرنے کے قابل میں کبھی نہ ہو سکا) اب اسی بات کو لے لیجئے کہ آج آپ کا ایک بھائی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے غریب خانے پر تشریف لاتا ہے۔ رات بسر کر کے اگلے روز کا لنچ کر کے چلا جاتا ہے۔ رات کو استعمال کیا ہوا میرا قمیض پاجامہ ایک طرف کو پھینک دیتا ہے۔ بلکہ اُس سے جوتا بھی چمکاتا ہے۔ مگر ابھی وہ گلی کے نکڑ سے اُوجھل نہیں ہوا ہوتا ہے کہ آپ کے دوسرے دو بھائی تشریف فرما ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ توام پیدا ہوئے ہیں اس لیے اُن کا وِزٹ بھی توام ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی خوب کھا پی کر اور اپنے منہ کا ذائقہ بدل کر چلے جاتے ہیں۔ تو تیسرے دن آپ کی بھابی صاحبہ قدم رنجہ فرماتی ہیں۔ وہ دس باتیں کر کے اور خوب سیرت ہو کر چلی جاتی ہے۔ اُس کے بعد مشکل سے دو دن بیت جاتے ہیں کہ خیریت معلوم کرنے کے بہانے آپ کی دوسری بھابی صاحبہ آجاتی ہیں۔ شکر ہے کہ توام بھائیوں میں سے ایک کی شادی کسی وجہ سے ابھی تک نہ ہو سکی ورنہ توام بھابیاں بھی رونق افروز ہو جاتیں۔ وہ صرف لنچ پر اکتفا کرتی ہیں اور ہم ابھی جل تُو جلال تُو —————— کہہ نہیں چکے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتے ہیں کہ آپ کی والدہ محترمہ کھانستی ہوئی محلے میں الارم بجاتی اور اعلان فرماتی داخل ہوتی ہیں۔ ہوشیار ——— خبردار ——— ع

جگر تھام کے بیٹھو محفل میں ہم آتے ہیں

بچوں نے مجھے کئی بار کہا کہ آٹو رکشا کے پیسے بھی آپ ہی دیتی ہیں۔ خیر چھوڑیئے اُس بات کو۔ اب بھلا بیٹے کہاں چپ بیٹھیں گے۔ وہ اپنی اماں کی خیریت پوچھنے پر دوسرے تیسرے دن آجاتے ہیں۔ وہ مختلف لوازمات کے ساتھ پہلے میٹھی اور بعد میں نمکین چائے اس طرح مُنہ بنا کر گلے سے اُتارتے ہیں گویا ہم پر احسان کر رہے ہوں اور پھر پانچویں روز آپ کے والد محترم بھی جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ وہ دو دن رہ کر اپنا من پسند کھانا پکوا کر اور اُسے نوش جان کر کے سواری کے لیے سو روپیہ اور کبھی تنگ دستی کا بہانہ کر کے مزید رقم اینٹھ کر اور کاروبار کا رونا رو کر چلے جاتے ہیں اور غلطی سے اپنا پھٹا پرانا جوتا چھوڑ کر میرا قابل استعمال جوتا لے جاتے ہیں۔

اِسی دوران بلکہ کبھی کبھی پندرہ بیس دن کے بعد گاؤں سے آپ کی ہمشیرہ اپنے میاں اور بچوں کے ہمراہ ''ویک اینڈ'' (Weak End) منانے غریب خانے پر آجاتی ہیں۔ وہ ویک اینڈ منا کر تو چلے جاتے ہیں مگر اپنا اینڈ (End) ویک کر جاتے ہیں۔ سولہویں دن کبھی کبھی بیس بائیس دن کے بعد آپ کی اماں کی سواری منگائے ہوئے آٹو رکشا میں ایک گلی سے نکل جاتی ہے تو دوسری گلی سے آپ کے بھائیوں کے بچے من حیث الجماعت توڑ پھوڑ کے لیے آموجود ہوتے ہیں۔ وہ دو چار بلب پھوڑ کر، دو چار سوئچ توڑ کر، ایک دو بیب کاک مروڑ کر، چار چھ گملے پٹک کر اور دس بارہ زخم اور چار پانچ گہرے گھاؤ دے کر چلے تو جاتے ہیں مگر نہ آپ کے رشتہ داروں کا آنا تھمتا ہے اور نہ میرے بازار کے چکروں میں کمی آجاتی ہے۔ وہ آنے جانے سے تھکتے نہیں ہیں کیونکہ میرا اسکوٹر سواری کے لیے وقف ہو چکا ہے اور وہ صرف مرمت کی وجہ سے ہی گھر میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دکھائی دیتا ہے۔ مگر میں بازار آنے جانے سے تھک کر چُور اور جیب سے ہلکا ہو جاتا ہوں۔

اب بھلا خود ہی فیصلہ کرلو کیا آپ کا اٹھارہ جون یا شادی والے دن کو کوسنا واجب ہے جبکہ آپ کے مائیکے والے اُس دن کو عید مناتے ہیں اور ہر اٹھارہ تاریخ کو سیلوٹ کرتے ہیں۔ اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ وقت کو یا بہ الفاظ دیگر شادی والے دن کو سا مت کرو اور مجھ سے بھی الجھا مت کرو۔ میں ایک بے ضرر کمپیوٹر ہوں جس میں صرف آپ کی خواہشات، مرضیات، خوشی اور آپ کے مائیکے والوں کی خدمت گذاری فیڈ کی ہوتی ہے۔ بقول قمر سنبھلی ؎

تم ہی نہ پڑھ سکے اس میں قصور تھا کس کا
ورق ورق میرے دل کا کتاب جیسا تھا

بیگم ایک معنیٰ خیز شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی ——— ''چلو ——— ہٹو ——— رہنے دو ——— نوج'' ——— جی ہاں دُرست فرمایا انہوں نے ؎

اکبرؔ ڈرے نہیں کسی سلطان کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوج سے
(اکبرؔ الہ آبادی)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیوارِ ہجر

چکوا چکوی دو جنے اِن مت مارے کُوے
یہ مارے کرتار کے رین بچھو ہا ہوئے
(امیر خسروؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیوارِ ہجر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد جرمن قوم کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک خونریز اور طویل جنگ جو کئی ہزار میل لمبے محاذ پر لڑی گئی تھی کی شکست نے جرمنی کی معیشت کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ اُس پر سب سے بڑی چوٹ جو فاتح اتحادی فوجوں نے جرمنی پر لگائی۔ وہ جرمنی کو دو حصوں میں یعنی مشرقی اور مغربی جرمنی میں تقسیم تھی جس کو جنگ بندی کا تحفہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ جرمن قوم سابقہ سینکڑوں برسوں سے متحد اُس تقسیم کی وجہ سے دو مختلف نظریات رکھنے والی طاقتوں کے ہاتھوں جدا کر دی گئی تھی۔ مشرقی حصہ روسیوں کی زیر نگرانی اور مغربی حصہ مشترکہ طور امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے زیر انتظام چلا گیا تھا۔ ملک کی تقسیم کے ساتھ پایہ تخت برلن بھی دو حصوں یعنی مشرقی اور مغربی برلن میں بانٹ دیا گیا تھا۔

جرمنی کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد مغربی جرمنی کی قیادت ڈاکٹر کونارڈا ڈینار نے سنبھالی۔ اُس نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بہت قلیل مدت میں مغربی جرمنی کو سائنس زراعت اور صنعت کے میدان میں دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا مگر اس کے برخلاف مشرقی جرمنی میں جس کی قیادت والٹر البرائیٹ کر رہے تھے اُس تیزی کے ساتھ ترقی کی جانب نہ بڑھ سکی، خصوصاً زراعت اور صنعت کے میدان میں حکومت کو بہت سی ناکامیاں ہوئیں، جس کی وجہ سے روزمرہ کی استعمال میں آنے والی اور کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہوتی گئیں جو لوگوں کی بے اطمینانی اور دماغی خلفشار کا باعث بنتی گئیں۔ ان وجوہات کے بنا پر مشرقی جرمنی سے عوام کی ایک کثیر تعداد آہستہ آہستہ مغربی جرمنی منتقل ہونا شروع ہو گئی کیونکہ مغربی جرمنی میں انہیں مشرقی جرمنی کی نسبت بہتر زندگی گذارنے کے مواقع میسر تھے۔ سن ۱۹۴۵ء سے سن ۱۹۶۱ء تک تقریباً چار لاکھ افراد مشرقی جرمنی سے دوسری جانب ہجرت کر گئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عوام کی ایک کثیر تعداد کا ملک سے اس طرح چلے جانا البرائیٹ کی حکومت کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گیا کیونکہ اس طرح سے اشتراکی نظریات رکھنے والے ممالک میں مشرقی جرمنی کا وقار مجروح ہوتا گیا اور اس کے علاوہ مغربی پریس آئے دن اس بارے میں واقعات کو اور ہی رنگ دے رہا تھا۔ چنانچہ ایسی تمام باتوں کو روکنے کے لیے مشرقی اور مغربی جرمنی کی حکومتوں نے سرحدوں کو بند کرنے پر اور برلن کے دونوں حصوں کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۳/اگست ۱۹۶۱ء کو لوگ جب نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور مسلح افواج کی نگرانی میں حکام مشرقی اور مغربی برلن کے درمیان دیوار ہجر ڈال کر رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ پانچ دنوں کے بعد خاردار تاروں سے گری کنکریٹ کی ایک اونچی دیوار شہر برلن کے دونوں حصوں کے خوبصورت مکانوں، بازاروں اور سڑکوں کے درمیان کھڑی تھی جس نے بھائی کو بھائی سے ایک عزیز کو دوسرے عزیز سے، ایک دوست کو دوسرے دوست سے اور ایک ماں کو بیٹے سے جدا کر دیا۔

پرانے وقتوں میں بادشاہ اپنے ملک کے خوبصورت باغوں اور شہروں کو دشمن کے ناگہانی حملوں سے بچانے کے لیے شہروں کے چاروں طرف اونچی اونچی فصیلیں تعمیر کیا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک دیوار چین کے بادشاہ چن شی نے ۲۱۸ قبل مسیح میں اپنے ملک کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے بنائی تھی جو آج دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ وہ پرانے وقتوں کی باتیں ہیں مگر آج جب انسان سیاروں اور ستاروں کو تسخیر کرنے کی جستجو میں ہے اس دنیا میں ایک ایسی بھی ریاست ہے جس کی دیوار ہجر پر کسی کی نظریں نہیں ہیں کیونکہ اس دیوار کو کبھی قابل توجہ سمجھا ہی نہیں گیا ہے۔ دیوار چین سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ دیوار برلن گرا دی گئی اور دونوں جرمنیوں کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپس میں اتصال ہوا۔ بچھڑے ہوئے ایک دوسرے سے مل گئے، خلیج پاٹ دی گئی مگر ریاست جموں وکشمیر میں لداخ سے لے کر کٹھوعہ تک کھینچی گئی لکیر، اُٹھائی گئی دیوار چھیاسٹھ برس گذرنے کے بعد بھی نہ ڈھے گئی، نہ گرائی گئی اور نہ اسے زمین بوس کرنے کا کسی کو خیال ہے۔

کسی جگہ چند کلومیٹر جب کہ پونچھ، راجوری، رام سنگھ پورہ، چکروہی اور سانبہ وغیرہ میں صرف چند گز کے فاصلے پہر اس پار ماں رہتی ہے اور اُس پار بیٹا حسرت بھری نظروں سے ماں کی جھونپڑی کو تکتا رہتا ہے۔ اُس پار بھائی ہے تو اِس پار بہن ہے۔ اُس طرف ایک رشتہ دار ہے تو اس طرف دوسرا کیسی ستم ظریفی ہے یہ۔ وجے پور رام گڑھ کے چمیار گاؤں میں ایک بزرگ کی قبر پر سانجھا عرس ہر برس لگتا ہے۔ دونوں اطراف کے لوگ اُس میں شرکت کرتے ہیں تو تخصیص کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس طرف کا ہے۔ دو چار سال قبل سے اگر کچھ مخصوص اشیاء سے لدی گاڑیاں اور مسافر آر پار جانے لگے ہیں مگر اس انتظام اور سہولت کو کافی fool proof نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آر پار آنے جانے والے لوگوں کی اکثریت سرحدی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جن میں زیادہ تعداد مفلوک الحال غرباء کی ہوتی ہے۔ ایسے کتنے لوگ ہیں جو اجازت نامہ حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو بس کا کرایہ ادا کرنے کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس لیے ایسا کوئی انتظام ہونا لازمی ہے جس کے ہوتے بلا تخصیص ہر اعلیٰ وادنیٰ اُس سہولت سے فیضیاب ہوسکے۔ بغیر پرمٹ یا پاسپورٹ کے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ ملاقات کرسکے۔ ایک سانس لے کر دوسری سانس لینے پر پہرے نہ ہوں اور ایک قدم بڑھا کر دوسرا قدم اٹھانے پر بیڑی پڑنے کا ڈر نہ ہو۔ ایک صاف ستھرے ماحول میں بے خوف وخطر کا عبور ومرور ہو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ریاست کی سیب پر مصنوب قربانی کی یہ بھیڑیں نالے بھرتی ہیں، آہیں کھینچتی ہیں،

عوام کی ایک کثیر تعداد کا ملک سے اس طرح چلے جانا البرائیٹ کی حکومت کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گیا کیونکہ اس طرح سے اشتراکی نظریات رکھنے والے ممالک میں مشرقی جرمنی کا وقار مجروح ہوتا گیا اور اس کے علاوہ مغربی پریس آئے دن اس بارے میں واقعات کو اور ہی رنگ دے رہا تھا۔ چنانچہ ایسی تمام باتوں کو روکنے کے لیے مشرقی اور مغربی جرمنی کی حکومتوں نے سرحدوں کو بند کرنے پر اور برلن کے دونوں حصوں کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۳/اگست ۱۹۶۱ء کو لوگ جب نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور مسلح افواج کی نگرانی میں حکام مشرقی اور مغربی برلن کے درمیان دیوار ہجر ڈال کر رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ پانچ دنوں کے بعد خاردار تاروں سے گری کنکریٹ کی ایک اونچی دیوار شہر برلن کے دونوں حصوں کے خوبصورت مکانوں، بازاروں اور سڑکوں کے درمیان کھڑی تھی جس نے بھائی کو بھائی سے ایک عزیز کو دوسرے عزیز سے، ایک دوست کو دوسرے دوست سے اور ایک ماں کو بیٹے سے جدا کر دیا۔

پُرانے وقتوں میں بادشاہ اپنے ملک کے خوبصورت باغوں اور شہروں کو دشمن کے ناگہانی حملوں سے بچانے کے لیے شہروں کے چاروں طرف اونچی اونچی فصیلیں تعمیر کیا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک دیوار چین کے بادشاہ چن شی نے ۲۱۸ قبل مسیح میں اپنے ملک کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے بنائی تھی جو آج دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ وہ پُرانے وقتوں کی باتیں ہیں مگر آج جب انسان سیاروں اور ستاروں کو تسخیر کرنے کی جستجو میں ہے اس دنیا میں ایک ایسی بھی ریاست ہے جس کی دیوار ہجر پر کسی کی نظریں نہیں ہیں کیونکہ اس دیوار کو کبھی قابل توجہ سمجھا ہی نہیں گیا ہے۔ دیوار چین سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن گئی، دیوار برلن گرادی گئی اور دونوں جرمنیوں کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپس میں اتصال ہوا۔ بچھڑے ہوئے ایک دوسرے سے مل گئے، خلیج پاٹ دی گئی مگر ریاست جموں وکشمیر میں لداخ سے لے کر کٹھوعہ تک کھینچی گئی لکیر، اُٹھائی گئی دیوار چھیاسٹھ برس گذرنے کے بعد بھی نہ ڈھے گئی، نہ گرائی گئی اور نہ اسے زمین بوس کرنے کا کسی کو خیال ہے۔

کسی جگہ چند کلومیٹر جب کہ پونچھ، راجوری، رام سنگھ پورہ، چکروہی اور سانبہ وغیرہ میں صرف چند گز کے فاصلے پہر اس پار ماں رہتی ہے اور اُس پار بیٹا حسرت بھری نظروں سے ماں کی جھونپڑی کو تکتا رہتا ہے۔ اُس پار بھائی ہے تو اِس پار بہن ہے۔ اُس طرف ایک رشتہ دار ہے تو اس طرف دوسرا کیسی ستم ظریفی ہے یہ۔ وجے پور رام گڑھ کے چمیار گاؤں میں ایک بزرگ کی قبر پر سانجھا عرس ہر برس لگتا ہے۔ دونوں اطراف کے لوگ اُس میں شرکت کرتے ہیں تو تخصیص کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس طرف کا ہے۔ دو چار سال قبل سے اگر کچھ مخصوص اشیاء سے لدی گاڑیاں اور مسافر آر پار جانے لگے ہیں مگر اس انتظام اور سہولت کو کافی fool proof نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آر پار آنے جانے والے لوگوں کی اکثریت سرحدی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جن میں زیادہ تعداد مفلوک الحال غرباء کی ہوتی ہے۔ ایسے کتنے لوگ ہیں جو اجازت نامہ حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو بس کا کرایہ ادا کرنے کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ایسا کوئی انتظام ہونا لازمی ہے جس کے ہوتے بلا تخصیص ہر اعلیٰ وادنیٰ اُس سہولت سے فیضیاب ہو سکے۔ بغیر پرمٹ یا پاسپورٹ کے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ ملاقات کر سکے۔ ایک سانس لے کر دوسری سانس لینے پر پہرے نہ ہوں اور ایک قدم بڑھا کر دوسرا قدم اٹھانے پر بیڑی پڑنے کا ڈر نہ ہو۔ ایک صاف ستھرے ماحول میں بے خوف وخطر کا عبور ومرور ہو۔

سیاست کی صلیب پر مصلوب قربانی کی یہ بھیڑیں نالے بھرتی ہیں، آہیں کھینچتی ہیں،

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آنسو بہاتی ہیں اور اپنے رستے ناسوروں پر ایک طویل ترین صبر کا پھاہا رکھتی ہیں۔ یہ کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ یہ کوئی راج تاج یا مملکت کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ یہ کوہ مری کے دامن تک اور گلگت، تُرتُک تک اپنی ریاست کی سرزمین، آبشاروں، مرغزاروں اور کوہساروں کے پائے نازنین کو چومنے اور ہر طرف سر اُٹھا کر چلنے کی آزادی چاہتے ہیں۔

کیا انسانی حقوق کے دعویٰ داروں، انسانی کرب سے تڑپنے والوں، اپنے آپ کو متمدن، تہذیب یافتہ، انصاف پسند اور غیر جانب دار کہنے والوں کو یہ دیوار ہجر چھیاسٹھ سال گذرنے کے بعد بھی نہیں لگتا اب ڈھے جانی چاہیے اور سالہا سال سے بچھڑے اور مجبور عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے ملنا چاہیے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شردھاماتا

سوچتا یہ ہوں کہ میں کس پر بھروسہ کرلوں
اُس کی شوخی پہ، شرارت پہ، ستم رانی پر
(اقبال عمرؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شردھاماتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایم۔ اُو۔ متھائی سن ۱۹۴۶ء سے سن ۱۹۵۹ء تک پنڈت جواہر لال نہرو کے اسپیشل اسٹنٹ یا بہ الفاظ دیگر پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ سیاسی حلقے اُنہیں وزیراعظم کے بعد ہندوستان کا سب سے زیادہ اہم اور بااختیار شخص سمجھتے تھے۔ بڑے بڑے تاریخ ساز فیصلے اُن کے سامنے اور اُن کی موجودگی میں ہوتے تھے۔ والیان ریاست کی تاج پوشی یا معزولی، منسٹروں کے درمیان قلمدانوں کی تقسیم اور اعلیٰ عہدوں پر افسروں کی تعیناتی جیسے اہم اقدامات اٹھاتے وقت اُن سے کوئی پردہ نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ پنڈت نہرو کی تنہائیوں اور محفلوں دونوں کے راز دار تھے۔ سن ۱۹۵۹ء میں کچھ سیاسی دشمن عناصر اور ذاتی عناد رکھنے والوں نے اُن پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور اُن کے نام کو خوب اُچھالا، مگر تحقیقات پر تمام الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ اُس بلاوجہ کی بے عزتی کے بعد اُن کے ضمیر نے اُن کو اپنے عہدے پر فائز رہنا گوارا نہیں کیا، اس لیے وہ مستعفی ہو گئے۔ گوشہ نشین ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد اُن کی لکھی ہوئی کتاب "Reminiscences of the Nehru Age" منظر عام پر آئی جس میں نہرو عہد کی کتنی ہی دلچسپ باتیں، رنگا رنگ یادیں، راز و نیاز کی سرگوشیاں جلوہ گر ہیں۔ اُس کتاب کی بدولت عصری تاریخ کے بڑے بڑے بُت ٹوٹے، کئی چہروں پر چڑھا ملمع اُترا اور وہ لوگ جنہیں دیوتا مانا جاتا تھا یا بنا دیا گیا تھا اپنے اصلی انسانی ہیئت میں نظر آنے لگے۔ ایک طلسم ٹوٹا اور اُجالوں نے دھندلکوں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ قارئین کے لیے آج کے راتب اور خاص کر تفنن طبع کی خاطر اُسی کتاب سے ایک حصہ پیش ہے جو اُمید ہے کہ ضرور پسند کیا جائے گا۔

شردھا ماتا: (مصنف کتاب متھائی صاحب کے مطابق یہ نام فرضی ہے) سن ۱۹۴۸ء کے خزاں کے دن تھے۔ بنارس سے ایک سنیاسن (جوگن) دہلی آئی جس کا نام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شردھاماتا تھا۔ وہ سنسکرت کی عالمہ تھی اور ہندوستان کی قدیم کتابوں پر اُسے عبور حاصل تھا۔ بہت سے لوگ جن میں ممبران پارلیمنٹ بھی شامل تھے اُس کے مذاکرات سننے کے لیے جمع ہوجاتے تھے۔ ایک دن نہرو کا ایک پُرانا مازم ایس ڈی اُپادھیائے ہندی میں شردھاماتا کا ایک خط لے کر آیا، وہ خود بھی شردھاماتا کا ایک بھگت تھا۔ اس خط میں پنڈت نہرو کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ نہرو نے شردھاماتا کو اپنی کوٹھی پر ملاقات کا وقت دیا۔ جب وہ ملاقات کے بعد جانے لگی تو میں نے دیکھا کہ وہ عورت نوجوان تھی، خوبصورت تھی اور بڑا متناسب جسم رکھتی تھی۔ نہرو کے ساتھ اُس کی ملاقاتوں کا سلسلہ طویل ہونے لگا۔ رات میں نہرو جب کام سے فارغ ہوجاتے تو وہ آتی تھی۔ جب نہرو سرکاری دورے پر لکھنو گئے تو وہ وہاں بھی آموجود ہوئی۔ حسبِ معمول اُپادھیائے اُس کا خط لے کر آیا، پنڈت نہرو نے جواب لکھ کر دیا اور وہ آدھی رات کے قریب نہرو سے ملنے کے لیے آئی۔

اُنہی دنوں یکا یک شردھاماتا غائب ہوگئی اور اُس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا، نہ ہی کسی نے اُس کے بارے میں جانکاری دی اور نہ ہی وہ خود سامنے آئی۔ اس طرح سے بات آئی گئی ہوگئی جیسا ایسے معاملات میں اکثر ہوتا آیا ہے۔ نومبر ۱۹۴۹ء کی بات ہے کہ بنگلور کے ایک کانونٹ سے ایک شخص خطوط کا ایک بنڈل لے کر دہلی آیا اور میرے آفس میں پہنچ گیا۔ اُس نے بتایا کہ ایک نوجوان عورت شمالی ہند سے چند ماہ پہلے کانونٹ میں آئی تھی۔ اُس نے وہاں ایک لڑکے کو جنم دیا۔ عورت نے نہ اپنا نام ظاہر کیا نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا اور نہ ہی یہ بتایا کہ وہ بچہ کس کا تھا۔ وہ جیسے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی تو کانونٹ سے اچانک اور بغیر اجازت کے چل گئی مگر بچے کو وہیں چھوڑ گئی۔ تاہم وہ یہ بنڈل بھول گئی جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ ہندی میں لکھے یہ خطوط بھی تھے۔ کانونٹ کی نگراں ایک غیر ملکی خاتون ہے اُس نے یہ خطوط

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پڑھوائے تو معلوم ہوا کہ یہ وزیر اعظم نہرو کے لکھے ہوئے خطوط ہیں۔

کانونٹ کا وہ شخص خطوط چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس نے نہ اپنا نام بتایا اور نہ کانونٹ کا نام و پتہ بتایا اور نہ ہی کانونٹ کی نگراں خاتون کا نام بتایا (یہاں پر صاف لگتا ہے کہ مصنف نے پردہ داری سے کام لیا ہے کیونکہ جو شخص وزیر اعظم کی کوٹھی یا آفس میں داخل ہوگا وہ اپنے آپ کو گمنام بغیر کوائف اور آمد کا مقصد ظاہر کئے کیسے اپنے آپ کو پردے میں رکھ سکتا ہے اور بالفرض اگر وہ ایسا کرنا چاہے بھی تو گِدوں کی طرح منڈلانے والے کار خاص اور سی آئی ڈی کے لوگ کیسے جانے دے سکتے ہیں)۔

پنڈت نہرو کو جب اس واقعے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے وہ خطوط پھاڑ کر پھینک دیئے۔ اُن کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ انہوں نے اُس وقت یا بعد میں بچے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ دراصل جنسی معاملات یا اُن سے پیدا ہونے والے نتائج کے تئیں ذمہ داری قبول کر کے کوئی بھی سیاسی لیڈر اپنا سیاسی مستقبل خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔

بعد میں شردھاماتا شمالی ہندوستان واپس لوٹ آئی۔ اُس نے جوگن کا لبادہ اُتار پھینکا تھا۔ آخری بار اُس کے بارے میں سُنا تھا کہ وہ جے پور میں رہتی تھی جہاں اُس نے اپنے بال ترشوالئے تھے۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک بھی لگاتی تھی اور وہ سب عشوے اور ناز و انداز اپنا لئے تھے جیسا کہ ایک ماڈرن فیشن ایبل عورت کرتی ہے۔ اُس نے پھر کبھی نہرو سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ میں نے کئی بار کوشش کی کہ اُس لڑکے کا پتہ چل جائے مگر اُس کا کوئی پتہ ونشان نہیں ملا۔ عموماً کانونٹ اس طرح کے معاملات میں راز داری سے کام لیتے ہیں۔ نہرو خاندان کا وہ چشم و چراغ یہیں کہیں کسی رومن کیتھولک چرچ میں پلا بڑھا ہوگا ——— مگر ——— اُس کی کوئی پہچان ہی نہیں ہے"۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہر حال یقینی طور سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیا پتہ اُس لڑکے کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ سیاست دان خاتون کا بھائی ہے۔ کیونکہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر کسی نہ کسی سے کانونٹ کے راز دار اور خاص الخاص ذمہ داروں سے اُسے ان خطوط کے بارے میں جانکاری مل چکی ہوگی۔ اپنے آپ میں کیا اُسے کبھی یہ گرید نہیں لگی ہوگی کہ آخر وہ کس کی اولاد ہے۔ اُس کے ماں باپ کون ہیں، کوئی آسمان سے تو ٹپکتا نہیں ہے۔

متھائی صاحب گرچہ پنڈت نہرو کے بے حد قریب بلکہ راز دار ہے مگر انہوں نے بھی اپنے من میں کئی بار یہ ضرور سوچا ہوگا کہ ؎

سوچتا یہ ہوں کہ میں کس پہ بھروسہ کرلوں
اُس کی شوخی پہ، شرارت پہ، ستم رانی پر
(اقبال عمرؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مومی قبرستان

جو جرم پوچھا کسی نے تو ہنس کے فرمایا
یہ کم خطا ہے کہ تمہاری کوئی خطا ہی نہیں
(حفیظ میرٹھی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مومی قبرستان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک ٹورسٹ یا سیاح مستقل مکین تو نہیں ہوتا صرف دو چار، دس دن، ہفتہ عشرہ سیاحت کی جگہ پر موج مستی کر کے چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سیاحتی مقامات ہوتے ہیں وہاں بے راہ روی، اکثر حالات میں بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کے کالے سایے ہر دم وہاں سایہ فگن رہتے ہیں کیونکہ اپنے مختصر قیام کے دوران ایک سیاح ہر طرح کی تفریح چاہتا ہے جس میں غیر قانونی اور غیر اخلاقی آیٹم بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی ایک سیاحتی مقام جنوبی امریکہ میں ایکویڈور کے دارالحکومت کیوٹو سے پچیس میل دور ایک پہاڑی قصبہ ہیلوین ٹاون کے نام سے زندگی کی رنگینیوں سے معمور تھا۔ ایکویڈور خط استوار پر واقع ہونے کی وجہ سے سرد علاقہ ہے۔ یہاں بیشتر بستیاں اور شہر سطح مرتفع یا پہاڑی وادیوں میں بسائے گئے ہیں جہاں پہاڑوں پر ہر وقت برف جمی رہتی ہے۔ تبت کے دارالحکومت لہاسہ کے بعد کیوٹو دنیا کی بلند ترین دارالحکومتوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ بہت دلفریب خوبصورت اور رنگین مقام ہونے کی وجہ سے ہیلوین ٹاون میں بھی کثرت سے سیاح آتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ کنواری وادی نجس ہوگئی اور عتاب الٰہی غیر محسوس انداز سے اس طرح آن پڑا کہ آج تک لوگ، ماہرین، عالم اور سائنس دان حیران ہیں کہ ہیلوین ٹاون موم کی طرح کیسے پگھل گیا۔

آج سے لگ بھگ ساٹھ سال قبل ۱۵ر مارچ سن ۱۹۵۳ء کو اس بستی کے رہنے والوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ ایک ایسی قیامت جس نے ساری بستی کو نگل ڈالا۔ بعد میں لگا کہ وہاں پر زندہ جاوید لوگوں کی زندگی سے معمور بستی کبھی تھی ہی نہیں۔ وہ سطح مرتفع جس پر یہ شہر واقع تھا اچانک موم کی طرح پگھلنے لگی۔ واقعہ رات کے دو بجے پیش آیا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر بستی کے سارے مکان لڑھکتے ہوئے نشیبی علاقے میں جا گرے۔ شہر کے سات ہزار مکین اور دیگر مہمان و سیاح آناً فاناً ختم ہو گئے اور اب گذشتہ ساٹھ برس سے ہیلوین قصبہ کی جگہ چھ مربع میل کا ایک غار ہے۔ جی ہاں! ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تاریک اور عمیق غار۔ آج بھی ہزاروں سیاح اُس خوبصورت بستی کا ماتم کرنے کے ساتھ ساتھ وہ غار بھی دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ ہیلوین کے شہریوں میں سے صرف چار افراد زندہ بچ سکے تھے جس میں انٹونیو نام کا ایک شہری مشکل سے تباہی کا حال سُنا کر اور اپنے اہلِ خاندان کی ہلاکت کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے جلد ہی دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہوگیا۔ باقی تین زندہ بچنے والے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ اس سانحہ کے بارے میں کوئی بھی معلومات فراہم نہ کر سکے اور نہ ہی تاحیات اس قابل ہو سکے کہ کچھ آنکھوں دیکھی ہوئی باتیں کہہ سکیں۔

بہت دن گذرنے کے بعد سائنس دانوں نے ایک طویل تحقیق کے بعد اس بات کا انکشاف کیا کہ جس پہاڑی پر ہیلوین قصبہ واقع تھا، اُس کے نیچے ایک بہت بڑا غار تھا۔ اُس غار کے دہانے میں ایک پہاڑی چشمے کا پانی بہت تھوڑی مقدار میں مگر مسلسل داخل ہو رہا تھا۔ بظاہر یہ دہانہ ایک چھوٹا سا گڈھا نظر آتا تھا لیکن اندر ہی اندر اُس کی لمبائی ایک ہزار فٹ اور چوڑائی لگ بھگ بارہ سو فٹ تھی۔ یہ غار کوئی آٹھ سو فٹ گہرا تھا اور اس میں چونے کے پتھر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ چشمے کا بہتا ہوا پانی دہانے کے راستے اندر جاتا اور چونے کے پتھروں میں جذب ہوتا رہا۔ یہ عمل کوئی سو برس سے جاری تھا مگر وہاں کے باشندے اس بات سے لاعلم تھے کہ اُن کے زیرِ زمین کیا شکست و ریخت ہو رہی تھی۔ پانی اور چونے کا آمیزہ برابر کھولتا رہا اور یہ عمل مسلسل جاری تھا۔ غار کے اندر جیسے جیسے پانی کی سطح بلند ہوتی جا رہی تھی اُس کے اطراف کی مٹی بھی ٹوٹ کر اُس میں شامل ہو جاتی تھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ زمین کی اندرونی پرت کا کٹاؤ خطرناک حد تک بڑھ گیا۔ آخر کار جب چونے کا کھولتا ہوا پانی زمین کی ریتلی مٹی کی پرت تک اٹھ آیا تو چونے اور پانی کے کھولتے ہوئے آمیزے نے اپنا کام دکھایا اور ایک مربع میل کے رقبے میں وہ ایک دم پھوٹ پڑا۔ اُس وقت ایسے لگا جیسے شہر کا وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حصہ بتاشے کی طرح بیٹھا جا رہا ہے۔ نیچے ہی نیچے کو دھنس رہا ہے۔

پانی اُبلے کی رفتار میں جیسے جیسے اضافہ ہو رہا تھا بلند علاقوں کی مٹی بھی ٹوٹتی جا رہی تھی اور آناً فاناً مکانات، دوکانات اور سڑکیں کھولتے ہوئے پانی میں غرق ہو گئیں۔ یہ سانحہ ہو جانے کے بعد امدادی ٹیمیں ہر طرف سے آنے لگیں اور ایک ہفتے کے امدادی کام میں دو ہزار کے قریب جلی اور گلی سڑی لاشیں برآمد کی گئیں۔ باقی لوگوں کی تلاش مدتوں تک رہی مگر وہ کبھی اُس موی قبرستان سے بازیاب نہ ہو سکے۔ آنے والے ادوار میں شاید محققین ہیلوینؔ قصبہ کے آثار بھی دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور انسان کو کچھ اور عبرت کی نشانیاں میسر آجائیں۔

یہ ایک روشن صداقت ہے کہ جب گناہ کا پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو پھر گناہگاروں کو اُس میں غرق ہو جانے میں دیر نہیں لگتی۔ یہ الگ بات ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھِن بھی پس جاتا ہے۔ گناہگاروں کے ساتھ بے گناہ بھی زد میں آجاتے ہیں۔ اپنے وادیٔ گلپوش کے مکینوں کے لیے مذکورہ واقعہ چشم کشا ہے۔ اور عبرت پکڑنے کے لیے کافی ہے کیونکہ یہاں بھی وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اصولی طور پر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ڈوگری زبان میں کہتے ہیں:

رن تمبا کو چھکنی — حاکم بڈی خور

پُتر جندے لاڈلے — تینوں ترئی چود

مطلب یہ کہ جہاں عورتیں تمبا کو پیتی ہوں، حاکم رشوت خور ہوں اور اولاد لاڈ و دُلار کی ماری ہو تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تینوں لکھشن تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اپنے یہاں مستورات سگریٹ نوشی کرتی ہیں اس میں دو رائے ہرگز نہیں ہے۔ سگریٹ ہی کیا راستے بھٹکی ہوئی لڑکیاں ڈرگ کا استعمال بھی کرتی ہیں اور اُن کی تعداد کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔ کرسیوں پر براجمان سبھی حاکم رشوت خور ہیں۔ اب حاکم سے مراد صرف

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افسر شاہی نہیں بلکہ سبھی سرکاری اہلکار اور کارندے ہوتا ہے۔ کچھ دیالو ہو سکتے ہیں مگر مجموعی طور ہر کوئی کسی کام کے لیے اور کام کے بنا بھی ''چائے'' چاہتا ہے یا مانگتا ہے۔ پوری قوم نے ہی بھکاریوں کا روپ دھارن کیا ہوا ہے۔ قوم کے بچے لاڈلے ہو گئے ہیں۔ موسیقی اُن کا کھانا پینا ہو گیا ہے۔ وہ اپنی اوقات کے ساتھ اپنے فرائض بھی بھُلا بیٹھے ہیں۔ لمبے بال رکھنا، چوٹی باندھے، کانوں میں ٹاپس پہنے، کلائی میں راکھی یا کڑا یا اور کوئی اناپ شناپ ڈالے، پتلون کی موریوں سے سڑک پر جاڑو دینے والے اور ہپوں (Hips) پر پتلون لٹکانے والوں اور نابی کے پاس قمیض میں ڈھکوا ڈالنے والوں کو آپ کیا قوم کے شاہین بچے نام دے سکتے ہیں۔ ''استغنائے سلمانی''، ''زورِ حیدری'' اور ''پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا'' کرنا تو خواب و خیال والی بات ہے۔ مغربی تہذیب سے سرشار مئے ابلیس میں مست کیا قوم کے معمار ہو سکتے ہیں۔

کشمیری قوم کی عزت و ناموس لڑکیاں غیروں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں۔ فحاشی کے اڈوں کو کن کی پشت پناہی حاصل ہے۔ مقامی اور غیر ریاستی جوان ہوٹلوں میں کمرہ لے کر کن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کیا قوم نے کبھی اُس طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے میں گمنام اور بے نام و نشان قبرستان وجود میں نہیں آئیں گے تو کیا صنعتی ترقی ہوگی، فیکٹریاں لگیں گی۔

اس لیے اے وادیٔ گلپوش کے غفلت میں پڑے لوگو سنبھلو، اب بھی وقت ہے۔ ماہرین نے آپ کی وادی کو بھونچال کی زد پر قرار دیا ہے۔ کسی بھی وقت دھماکہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے سنبھلنے کی ضرورت ہے۔ جب آسمانی قہر برپا ہوگا پھر سنبھلنے کا بھی موقعہ نہیں ملے گا اور سب کچھ ہوا ہو جائے گا۔ ہوا میں بکھر جائے گا اور پھر آنے والی نسلیں سرد آہیں بھر کر کہا کریں گی ——— ع

کہانیاں تھیں کہیں کھو گئیں میرے ندیم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چلتی پھرتی لاشیں

اس سے پہلے کہ میرے قتل پہ اُٹھ جائے سوال
خوبصورت سا اِک الزام میرے سر رکھ دو
(منظور شاکر)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چلتی پھرتی لاشیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہزاروں سال پرانی تاریخ، آثار و قرائن، تصاویر، فن سنگ تراشی کے نمونے، آثار قدیمہ کی باقیات، اہرام مصر کے سنسنی خیز انکشافات اور پرانے سکوں کے مشاہدے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پروہتوں اور کاہنوں کا ہمیشہ سے نہ صرف عوام الناس پر بلکہ حکومت و بادشاہت پر بھی کنٹرول اور اونچا ہاتھ رہا ہے۔ زمانہ قدیم کے مصر میں کاہن نہ صرف بادشاہ ساز (King Makers) ہوتے تھے بلکہ ملکی و سیاسی معاملات میں بھی اُن کا بے حد عمل دخل ہوا کرتا تھا۔ اور اگر یہ بھی کہا جائے کہ خاص طور سے مصر میں فراعنہ کے ازمنہ میں بادشاہ برائے نام ہی ہوتے تھے اور اصل میں کاہن ہی بادشاہ ہوتے تھے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ وہی طرز زندگی، وہی طرز سیاست، وہی طرز فکر، اور وہی طرزِ حکومت قدیم ہندوستان میں بھی تھی بلکہ آج بھی جاری و ساری ہے صرف طریق حکومت اور چہرے بدل گئے ہیں۔

بھارت کی ایک سو تیس کروڑ کی آبادی میں اونچی ذات کے ہندوؤں (کاہن، پروہت، برہمن) کی تعداد صرف بیس فیصد ہے مگر عملی مشاہدہ یہی ہے کہ وہی لوگ حکومت ساز بھی ہیں اور حکومت پرداز بھی۔ وہی اکثریت کا استحصال بھی کرتے ہیں اور اقلیت کو وہی پاؤں تلے روندتے ہیں۔ وہی ایوانوں میں بھی ہیں اور حکومت میں بھی۔ وہی دیگر ذاتوں کا قلع قمع بھی کرتے ہیں اور انسان کی مایہ ناز سائنسی اور ذہنی ترقی کے باوجود انسان سے بیگار بھی لیتے ہیں۔ وہ اپنے آئین اور قانون کی کتابوں میں اپنا نصب العین جمہوریت لکھتے ہیں مگر خود اُن کا جمہوریت پر کوئی اعتقاد نہیں ہے۔ وہ بھارت کی سادھوی تہذیب کو خوشنما ملبوسات سے ملبوس کر کے گنگا جمنی تہذیب متعارف و مروج کرنے والوں کو ''حملہ آوروں'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ دھوتی کا پرچار تو کرتے ہیں مگر خود خاکی نیکر پہن کر نیچی ذات اور دیگر مذہب والوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب دیتے اور لیتے رہتے ہیں۔ خود مسجدوں اور ٹرینوں میں بم بلاسٹ کر کے بے گناہ لوگوں کا خون بہاتے ہیں مگر یہ شرمناک گناہ بھی مسلمانوں کے نام پر ہی رجسٹرڈ کر دیتے ہیں۔

یہی وہ اونچی ذات کے لوگ ہیں جن کو پسماندہ ذات کی اسمبلی ممبر اور سابقہ ڈاکو کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ ہوا اس لیے اُس کو بھی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ راشٹر پتا مہاتما گاندھی نے صرف ایک بار مسلمانوں کی حمایت میں بات کی تھی، اُنہیں وہ بھی برداشت نہ ہو سکا اُسے بھی قتل کروا گیا۔ یہ نام نہاد اعلیٰ خون والے جمہوریت پر نہیں بلکہ ہندوتوا پر ایمان رکھتے ہیں اور ہندوتوا تو بلا مبالغہ اور بلا شبہ رجعت پسندی کا ترجمان ہے۔ انصاف و مساوات، جمہوریت و سیکولرازم، عدم تشدد اور قانون کی بالادستی اُس کی صرف کتابوں میں درج ہیں جو پڑھی اور پڑھائی نہیں جاتی۔ پھولن دیوی اس لیے ماری گئی تھی کیونکہ وہ ایک نیچی ذات سے تعلق رکھتی تھی اور اونچی ذات کو اُس کی ہم نشینی کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ اُس کے کھاتے میں دس اونچی ذات کے لوگوں کا قتل درج تھا۔ دس لوگوں کا قتل بہت بُری بات اور ایک گھناؤنا فعل ہے۔ مگر وہ جرم اُس سے کیسے سرزد ہوا، اُس نے وہ میسا کر کیوں کیا۔ کیا اُس پر اعلیٰ ذات کے لوگوں نے کبھی غور کیا۔ اگر غور کیا، وجوہات جان لیں تو کیا کبھی تاسف، شرمندگی یا گناہ محسوس کیا۔ شاید کبھی نہیں ——

تاریخ ہند میں دو مظلوم ترین شخصیتیں گذریں ہیں۔ ایک بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور دوسری پھولن دیوی۔ بہادر شاہ ظفر کی حکومت اور بادشاہت چھن گئی۔ اُنہیں دیار غیر میں قیدی بنا کر رکھا گیا۔ ظالموں نے اُن کی آنکھیں نکال دیں اور وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ اُن کی تذلیل کی گئی، اُن کے کلیجے پر چھوکے اُس وقت لگے جب شہزادوں کی گردنیں کاٹ کر اُن کو پیش کی گئیں۔ اُن کی محل سرا اور شہزادیوں نے خودکشی کی، کچھ نے ادنیٰ لوگوں کے ساتھ شادیاں کیں اور گمنامی کی زندگی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنائی۔ اُن کا دل وجگر چھلنی ہونے کے رہ گیا مگر روح زندہ رہی جس سے رنگون جیل میں گلوں، شکوؤں اور آرزوؤں کے لاوے شعر وسخن کی شکل میں پھوٹتے رہے۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ اُس وقت محبوس معزول شاہِ ہند کی کیا کیفیت رہی ہوگی۔ اُس کے دل کے کتنے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے جب اُس کی حالت اس شعر کے مترادف ہوئی ہوگی ؎

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

ایسا ہی حال پھولن دیوی کا ہوا۔ یہی آریاں اُس کے دل پر بھی وقت وقت پر چلیں۔ صرف چھ سات سال کی عمر میں اُس کا ''گوڑیا لگن'' یعنی بال دواہ اپنے سے چار گُنا بڑے مرد کے ساتھ ہوا اور سُسرال میں اونچی ذات کے چھوکروں نے جب پانی سے بھرا اُس کا گھڑا توڑا تو اُس نے احتجاج کیا۔ مگر اونچی ذات کے لوگوں کے سامنے احتجاج کرنے کی اجازت چھوٹی ذات کے لوگوں کو نہیں ہے، اس لیے اُس کو جسمانی استحصال (Sexual abuse) کی سزا دی گئی اور اس طرح سے پہلا آرا اُس کی روح پر چلا۔ اونچی ذات کے ایک لونڈے نے اُس سے اپنی نفسانی خواہش کا مطالبہ کیا، اُس نے پھر احتجاج کیا اور بھری سبھا میں اونچی ذات کے لوگوں نے اُس کی تذلیل کر کے اور اُلٹا اس پر ہی الزام لگا کر اُس کی روح پر دوسرا آرا چلایا۔ اُسے سسرال اور مائیکے والوں نے اپنانے سے انکار کیا اور پھر ایک آرا اُس کی روح کو چیر گیا۔ وہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئی اور اُن کے سرغنہ نے دن دہاڑے سب ڈاکو منڈلی کی موجودگی میں اُس کی عزت لوٹی۔ ایک اور گہرا زخم اُس کی روح کو لگا اور پھر ایسے کچوکے یکے بعد دیگرے لگتے ہی رہے۔

دس ٹھاکروں نے جو پولیس کے مخبر بھی تھے پھولن دیوی کی اجتماعی عصمت دری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی اور اُس کو نوچ کھسوٹ کے رکھ دیا، کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اُنہی میں سے ایک پولیس مخبر نے اُسے مادر زاد برہنہ کر کے گاؤں کی گلیوں میں گھمایا، کسی نے زبان تک نہ ہلائی ـــــــ اور پھر ڈاکو بن گئی۔ اُس پر لگے کچوکے اور گذرے حالات کی روشنی میں اور کیا کرتی۔ اولاً اُس نے دس اونچی ذات کے بڑے لوگوں کا قتل کیا جس کا چرچہ قریہ قریہ ہوگیا ـــــــ ویسا ہونا ہی تھا۔ پھولن دیوی کا انتقام جرم ٹھہرا اور ٹھاکروں کی گھناونی حرکات ادا ٹھہری۔ کمال ہے اچھا انصاف ہے یہ ع

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

آخر میں اُس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اُس نے کسی لالچ، ڈر یا مار سے جانے کے خوف سے سرینڈر نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے ظلم، جبر اور استحصالی قوتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اُس نے اپنی اور اپنی ذات برادری کے لوگوں کی قدر و قیمت جان کر غیر جمہوری عناصر کے سامنے سرینڈر کیا۔ اُس لاقانونیت، ناانصافی اور سماج واد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جس نے اُس کو بچپن سے ہی کچوکے لگائے تھے۔

پھولن دیوی ایک ڈاکو یا ایک قاتلہ نہیں تھی بلکہ وہ زمانے کی ستائی اور ماری ہوئی ایک مقتول، مظلوم، بے انتہا لاچار، مقہور، بے بس اور بے کس عورت تھی۔ ایک ابلا ناری، ایک صنف نازک خاتون، جس کی آہیں اور کراہیں، کسک، درد و کرب ذات پات کے گھور اندھیاروں میں دم توڑ چکی تھیں۔ جس کے آنسو وقت کے تیز و تند ہواؤں نے سکھا دیئے تھے۔ اُسے طبقاتی نظام اور اپنے عورت اور وہ بھی نیچی ذات کی عورت ہونے پر نفرت تھی۔ وہ بھارت ماتا کی ایک ایسی بیٹی تھی جس کو بھارت ماتا کے لاڈلے بیٹوں نے اتنا ذلیل کیا تھا کہ وہ ایک بے روح، چلتی پھرتی لاش، جو اپنے ہی کندھوں پر اپنا جنازہ اُٹھائے ہوئے روح کے رستے ناسوروں پر پھاہا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بے موت ماری گئی۔ اُس کے مرنے پر کوئی رونے والا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں تھا۔ اُس کی لاش پر کسی نے تعزیت کے دو بول نہیں کہے اور اُس کے لیے کسی نے آہ نہ بھری ——— کسی آنکھ نے دو آنسو نہیں بہائے، کسی نے افسوس نہیں کیا، جیسے انگریزی میں کہیں گے:

"She passed away unsung and unwept"

درد دل کی داستانوں کے ساتھ ایسی کتنی ہی چلتی پھرتی لاشیں ہمارے آگے پیچھے ہر دم گھومتی رہتی ہیں۔

(۲۰۱۱ء)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہنستے زخم

وہ مغنّی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا
دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی نہ رہا
(آزردہؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہنستے زخم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سن ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی انگریز کے ناجائز قبضہ، استحصال اور غلامی کے جُوئے کو اتار پھینکنے کی پہلی سرفروشانہ کوشش تھی۔ اُس بغاوت یا انقلاب نے بپھرے ہوئے طوفان کی طرف پھیل کر سارے شمالی ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انقلاب کی ابتدا خواہ کسی بھی فرقہ کے سپاہیوں کی طرف سے ہوئی ہو مگر مسلمان بادشاہ کی ان چاہی سرپرستی اور مسلمان قوم کی عملی سرگرمی کے سبب زیادہ قصوروار صرف مسلمان ہی ٹھہرائے گئے تھے اور دشمن انگریز کا دہلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمان ہی چُن چُن کر قتل ہوئے یا پھانسی پر لٹکائے گئے۔ پھانسی پانے والے صرف عام لوگ یا عام سپاہی نہ تھے بلکہ کئی ریاستوں کے نواب جاگیردار، زمیندار، رئیس اور علمائے دین بھی تھے جو باغیوں کی مدد و اعانت کے جرم میں زیرِ عتاب آئے۔ برطانوی سابقہ فیلڈ مارشل رابرٹ کی کتاب ''ہندوستان میں اکتالیس سال'' کے مطابق ستائیس ہزار مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء میں پھانسی دی گئی۔ قتل عام میں مارے جانے والے لوگوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ اس ضمن میں مرزا غالبؔ نے ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو اپنے شاگرد تفتہ کو اپنے خط میں لکھا:

واللہ ڈھونڈے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملکتا۔ ہندو البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

اور اس قتل عام کے لیے آزردہؔ نے بھی کہا تھا۔

وہ مغنی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا
دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی نہ رہا

اُس عالم افراتفری میں مسلمان دوہری مار کے شکار ہوئے۔ ایک طرف تو انگریز اُن سے ناراض تھے کہ بغاوت کی ابتدا مسلمان سپاہیوں نے ہی کی اور دوسری جانب

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سکھ سپاہی اپنا پُرانا غصہ اُن پر اتار رہے تھے کیونکہ اُن کے کسی گرو کو مسلمان بادشاہ نے دہلی میں قتل کروایا تھا اور سکھوں کو اس تاریخی قتل کا انتقام مسلمان سے لینا ہی لینا تھا یعنی کرے کوئی اور بھرے کوئی، حالانکہ اُس سے قبل بھی اُسی صدی کی پہلی چار دہائیوں میں متحدہ پنجاب کے بادشاہ رنجیت کی سرپرستی میں وہ لاکھوں مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکے تھے اور ہزاروں مسلمان عورتوں کو لونڈیاں اور داشتائیں بنا چکے تھے۔ وہ مسجدوں میں گھوڑے باندھتے تھے، اذان دینے پر پابندی تھی اور بکرا ذبح کرنے پر زبردستی اُس پر گرو کا نام لینے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر مسلمانوں کی کوئی سیاسی، سماجی حیثیت ہی نہیں تھی۔ اور بلاوجہ مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور آگ لگا دینا ایک عام سی بات تھی (دیکھئے شہید بالاکوٹ از حسین حسنی طبع دوم لاہور ۱۹۹۱ء)۔

انگریزوں کے آگے مسلمانوں کے لیے ایک جرم یہ بھی تھا کہ اُن کی شباہت یا ہیئت (structure) سپاہیانہ ہے۔ اور اگر کسی مسلمان کو کسی جرم میں ملوث نہیں پایا جاتا تھا مگر پھر بھی اُس کو اس جرم پر پھانسی دی جاتی تھی کہ اُس کی صورت سپاہیانہ ہے اور اُس پر یہ الزام لگایا جاتا کہ وہ ضرور بغاوت میں شامل رہا ہوگا۔ بے بسی و بے کسی معصوم و بے قصور اور مجبور و لاچار مسلمانوں کے لیے بدیشی سگِ ابیض کا ایسا ہی انصاف تھا اور اپنی نوعیت کا نرالہ انصاف تھا۔ یہ ایک ایسا انصاف تھا جس کو تاریخ کا سیاہ باب کہا گیا ہے اور ایسے کئی سیاہ باب خود انگریزوں کے ہی لکھے ہوئے ہیں۔

مورخوں اور چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ ۱۴ر ستمبر کو انگریز دہلی شہر کے اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے شہر والوں کو باہر چلے جانے اور اپنے گھر چھوڑنے کا حکم دیا، اس پر کچھ لوگ دیہات اور جنگلوں کی طرف بھاگنے لگے۔ وہاں گوجروں اور میواتیوں نے اُن کو لوٹنا شروع کیا۔ باوجود اس بھاگم بھاگ کے پھر بھی شہر میں ہزاروں گھر آباد تھے جو کئی وجوہات کی بنا پر گھر بار چھوڑ کر نہ بھاگ سکے۔ ہندوؤں کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مشہور محلہ کٹرہ نیل تو بالکل آباد ہی آباد تھا جس میں سے ایک واحد شخص بھی باہر نہیں گیا کیونکہ لالہ مہسیری پرساد کمسریٹ کے گماشتے اس محلے میں رہتے تھے اور انہوں نے اپنی خیر خواہی اور خدماتِ سرکاری کے عوض اپنے محلے کی حفاظت کا عہد انگریز افسروں سے لے لیا تھا۔ ویسے بھی غدر میں کسی غیر مسلم کے مارے جانے کا ذکر کسی جگہ پر بھی نہیں ملتا۔ یہ صریحاً مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو اور تخت و حکومت پر انگریز کی جانب سے ایک یلغار تھی اور اپنے ہدف کو اُس نے بخوبی پالیا۔

کرنل برن کو دہلی شہر کا گورنر بنایا گیا۔ اُس کے حکم پر جہاں بھی آبادی ملی یا جو بھی لوگ گھروں میں ملے جنہوں نے غدر میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا اُن کو بھی گرفتار کر کے لایا گیا۔ آگے آگے مرد سر پر سامان کا گھڑ رکھے ہوئے اور پیچھے پیچھے عورتیں اور بچے زار و قطار روتے ہوئے، عجیب منظر تھا لوگوں کی حالت زار کا۔ عورتوں میں پردہ نشین خواتین اور شریف زادیاں پیدل چلنے کی عادی نہ تھیں اس لیے بار بار ٹھوکر کھاتی تھیں اور اوپر سے انگریز سپاہی ڈنڈے برساتے تھے۔ اُن کے اسباب میں جو بھی قیمتی چیزیں ہوتیں۔ وہ ضبط کر کے بلکہ زبردستی چھین کر اُن کو شہر بدر کیا جاتا۔ غرض دہلی کے باہر ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے ننگے پاؤں، ننگے سر، بھوکے پیاسے پھر رہے تھے اور اُن کا کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ کتنے ہی بھوک سے بلک بلک کر اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اُن کا کوئی شمار و حساب ہی نہ رہا۔ اوپر سے انگریز قاہر بنا اُن معصوم جانوں اور خدا کے بندوں پر قہر برسا رہا تھا۔

انگریز فوج نے گھروں میں گھس کر بچے کھچے لوگوں کو لوٹنا اور مستورات کو بے عزت کرنا شروع کیا۔ ہزاروں عورتیں ایسی بھی تھیں جو گھر سے باہر نہ نکلی اور پردہ داری کے سبب گھر میں ہی مرجانا قبول کر لیا۔ جونہی انہوں نے سنا کہ فوج آتی ہے تو انہوں نے کنوؤں میں ڈوب کر جان دے دی۔ جب ڈوبنے کو پانی نہ رہا تو اوپر گرنے والی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عورتیں زندہ رہیں لیکن جونہی انہوں نے فوج کو دیکھا تو وہ چیخنے چلانے لگیں براہ خدا ہمیں ہاتھ مت لگاؤ بلکہ گولی سے اُڑا دو، ہم شریف بہو بیٹیاں ہیں، ہماری آبرو خراب نہ کرو۔ ایک کنویں سے بعد میں دو زندہ عورتیں نکالی گئیں۔ ماں بوڑھی اور بیٹی جوان مگر اندھی تھی۔ ماں کے مطابق اُس کا ایک ہی بیٹا تھا جسے انگریزوں نے جرم بے گناہی میں قتل کر ڈالا اور فوج جب لڑکی طرف بُرے ارادے سے بڑھی تو اُن دونوں نے کنویں میں چھلانگ لگا دی مگر قسمت ہماری ہی بُری تھی کہ ہم پھر بھی زندہ بچ گئیں۔ دنیا میں ٹھوکریں کھانے کے لیے۔

جب ہزارہا مسلمان مارے گئے تو اُن کی لاوارث بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں بے سہارا رہ گئیں۔ اُن میں سے کچھ نے انگریزی فوج کے مسلمان سپاہیوں کے ساتھ شادیاں کرلیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کیا۔ مجبور تھیں اور کیا کرتیں۔ آسودہ حالی اور شرافت وعزت دار زندگی کی تمام امیدیں مٹ چکی تھیں۔ بادشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کی ایک بیٹی شاہزادی ربیعہ بیگم نے محتاج ہونے کے سبب اور اپنے ناموس کو بچانے کی خاطر قلعہ معلیٰ کے حسینی نام کے ایک باورچی کے ساتھ شادی کرلی۔ اور دوسری بیٹی شہزادی فاطمہ سلطان نے عیسائی کانونٹ میں معلمی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ شہزادی ایک ادنیٰ باورچی کے ساتھ منسلک ہوجانے پر مجبور ہوجاتی ہے اور دوسری شہزادی اُنہی لوگوں کی پناہ میں چلی جاتی ہے جنہوں نے اُن کے بھائیوں کے سر کاٹ کر طشتری میں سجا کر اُن کے باپ والیٔ ملک شہنشاہ ہند کو پیش کئے تھے۔ اس کے علاوہ ہزاروں شریف عورتیں سڑکوں پر آکر بھیک مانگنے لگیں۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ایک روٹی یا ایک مٹھی چنا تقسیم کرتا تو مسلمان عورتوں کے غول کے غول اُس پر ٹوٹ پڑتے اور یہ وہی عورتیں تھیں جو سال بھر پہلے خود ہزاروں روپیے اور کئی جوڑے کپڑے محتاجوں میں تقسیم اپنے گھروں میں بیٹھ کے کیا کرتی تھیں۔ (ماخوذ دہلی کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جاں کُنی از خواجہ حسن نظامی)۔

افسوس افسوس ستم ہائے روزگار نے سدا اس اللہ کے بندے کو کبھی سُکھ کا سانس لینے نہیں دیا۔ کئی مصیبتیں اس پر آئیں اور ہر دور اور ہر زمانے میں اُس پر آزمائشیں ہوئیں مگر یہ بھی ڈٹا رہا، ثابت قدم رہا اور مانند خورشید اِدھر ڈوبا اُدھر نکلا۔ آج ہندوستان میں متعدد متعصب جماعتیں، گھٹ اور سنگھٹن رجعت پسند لوگ اور طاقتیں اُس کے بیخ و بُن میں لگیں ہیں مگر وہ کور چشم کیا جانیں کہ وطن پر گھر بار، مال و دولت، عزت و آبرو اور ریاست حکومت قربان کرنا کس کو کہتے ہیں۔ آج جانبدارانہ نگاہ رکھنے والے جب چیخ چیخ کر ریڈیو یا ٹی وی پر کسی اور سٹیج پر ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں:

رنگ بھرا ہریَ سنگھ نلوے نے
رنگ لال ہے لالَ بہادر سے
رنگ بھرا بسنتی بھگت سنگھ
رنگ امن کا ہے لال جواہرَ سے

تو اُس وقت وہ مولانا ابوالکلام آزاد، علی برادران، بی اماں، علمائے دیوبند، طلاب و اساتذہ شبلی کالج، نوابانِ اودھ، والیانِ ریاست اور ہزاروں علمائے دین، ائمہ عظام اور لاکھوں مسلمان عوام کو بھول جاتے ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کی آزادی میں اصلی اور حقیقی رنگ بھرا ہے وہ رنگ سفلی ذہنیت کے لوگ اپنی سفلانہ کاوشوں سے کتنا بھی ہلکا کرنے کی کوشش کریں مگر وہ رنگ بہر حال ہمیشہ چوکھا ہی رہے گا۔ لوگ اُن مجاہدین آزادی کو بھلا چکے ہیں مگر اُنہوں نے جان، مال، عزت و آبرو کے سودے کر کے اپنے خون سے جو تاریخ رقم کی ہے اُسے کون مٹا سکتا ہے ——— مٹا ہی نہیں سکتا ہے۔

تاریخ ہند کا یہ بلاشبہ ایک تاریک پہلو ہے کہ جو رجعت پسند طاقتیں دھرم سکنٹ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا دعویٰ کرتی ہیں یا ہندوتوا کے ممتنی ہیں اور وہ لوگ جو بھارت ماتا کے لاڈلے بنے پھرتے ہیں اُن میں سے کئی ایک نے جنگ آزادی کے دوران انگریز کے لیے مخبری کر کے بہت سے سوتنتر سیلانیوں کو قتل کروایا تھا۔ موجودہ وقتوں میں بھی وہ رتھ یاترا نکالیں، ہمارے جان و مال اور ملی اساس کے ساتھ کھلواڑ کریں، خود جرایم کریں اور نام ہمارا بدنام کریں اُس سے کیا ہوتا ہے دیکھتے ہیں ـــــــ ع

زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

بہرحال اپنی درد بھری داستان کا اختتام اِن اشعار کے ساتھ کرتے ہیں کہ۔

ماہ و نجوم بھی جنہیں تکتے تھے رشک سے
وہ محفلیں کہاں ہیں وہ مہمان کدھر گئے
وحشت یہ آج پوچھتی پھرتی ہے شہر میں
دامن وہ کیا ہوئے وہ گریباں کدھر گئے
اہلِ یقین زمین بھی پوچھے گی ایک روز
سجدے یہاں جو کرتے تھے انسان کدھر گئے
(محسنؔ انصاری)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چتّون

وہ جانا پھیر کر چتون کسی کا
ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا
(داغ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چتّون

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اکبر الہ آبادی باوجود ایک مذہبی آدمی اور پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے بڑی بذلہ سنج شوق طبیعت رکھتے تھے۔ شاید ہی کوئی معاشرتی، اخلاقی یا سیاسی مسئلہ بچا ہوگا جس پر موقع ومحل کی مناسبت سے انہوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ نقادانِ شعر وسخن نے گرچہ اُن کے کلام پر کافی اعتراضات بھی اُٹھائے ہیں مگر بہر حال حقیقت یہی ہے کہ اُن کا کلام طنز ومزاح کے زمرے میں آتا ہے مگر مضحکہ خیز (Satire) ہونے کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔ وہ چبھتے ہوئے الفاظ میں مختلف اور انوکھے خیالات کو نظم کرنے کے ساتھ حقیقت نگاری کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ اُن کا ایک شعر ہے ۔

خوش نصیب آج بھلا کون ہے گوہرؔ کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

اس شعر کی تشریح اور گوہر کی تلاش میں انیسویں صدی کی آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دو عشروں کا زمانہ اور فن رقص وموسیقی سے متعلق تاریخ کا ایک دلچسپ باب کھولنا لازمی بن جاتا ہے۔ اس کوشش سے مطلب گذشتہ تاریخ کے رنگین اور تاریک گوشوں میں جھانکنا ہے۔ گوشوں میں جھانکنے اور روزن کے سوراخوں میں سے دُزدیدہ نگاہی کرنے کو کوئی بُرا سمجھتا ہے مگر کوئی اسے اپنے علم میں اضافہ مانتا ہے۔ اب کون کس واقعے کو کس فکر ونظر سے دیکھتا ہے وہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے۔

ہندوستان کی اپنے وقت کی مشہور مُغنیہ گوہر جان کو قدرت نے جہاں حسن وجمال کی دولت سے نوازا تھا وہاں خوش گلوئی اور آواز کی دلکشی عطا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ اپنے دور کی یہ نامور اور عظیم مُغنیہ جہاں ایک طرف امراء کی محفلوں، رؤسا کی مجلسوں اور والیان ریاست کے درباروں میں دلکش اور سُریلے نغموں کا جادو جگاتی تھی، وہاں اپنی بے پناہ خوبصورتی اور خوش جمالی سے سامعین کو مسحور کرتی تھی۔ اُس کی محفل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اُس کی گائیگی کے علاوہ اور کوئی بات، فقرہ یا بے ہودہ کلام سنائی نہیں دیتا تھا۔ گوہر جان کو فن موسیقی میں جو کمال حاصل ہوا وہ اُس کے ہم عصر ماہرین فن میں سے کسی کو نہ ہوسکا۔ نہ حاصل ہی ہوسکا اور نہ کوئی اُس تک پہنچنے میں کامیاب ہی ہوسکا۔

گوہر جان کا تعلق یورپ کے خطۂ حسن و جمال آرمینیا سے تھا لیکن وہ ہندوستان میں ہی پلی بڑھی تھی۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کن حالات میں یورپ سے ہندوستان آئی۔ لیکن جب آئی تو پھر ہندوستان کی ہی ہو کر رہ گئی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھی اور اُسے اُردو، ہندی، عربی، فارسی، بنگالی اور انگریزی زبانوں پر اچھا خاصا عبور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف ہندوستانی ہی اُس کے فن کے قدردان بلکہ غیر ملکی بھی اُس کی محفل کی رونق بڑھاتے تھے۔ وہ اسلامی سلام و نعمت اور کلاسیکی گاین کے علاوہ اردو، ہندی. فارسی، انگریزی، بنگالی، مراٹھی اور پنجابی زبانوں میں گیت اور نغمے گایا کرتی تھی۔ گوہر جان کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ اُس کی اجازت کے بغیر راجا اور مہاراجہ بھی اُس کے ہاں نہ آسکتے تھے۔ اُس کے گھر پر مسلح پہرہ ہوتا تھا اور محافظ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے تھے۔ لباس کے معاملے میں بھی وہ ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ اگرچہ طوائف تھی لیکن مضبوط کردار کی مالک اور خود دار واقع ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں چار گھوڑوں کی بگھی صرف راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کے پاس ہوا کرتی تھی لیکن ویسی ہی چار مضبوط اور خوبصورت گھوڑوں کی ایک شاندار کوچ گوہر جان کے پاس بھی تھی۔ ایک مرتبہ گورنر بنگال بھی اُسے کوئی مہارانی یا لیڈری سمجھ کر دھوکہ کھا گیا اور آداب کے مطابق ہیٹ اُٹھا کر سلام کر بیٹھا۔ گوہر جان کی شہرت، ہر دلعزیزی اور اوجِ کمال پر متمکن ہونے کا اس طرح سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چار ہمعصر شخصیات خان محمد نقی خان، سر سید رضا علی، نواب ہوشیار جنگ آف حیدرآباد اور شیخ عبدالشکور کی اپنی خود نوشت سوانح بالترتیب عمر رفتہ، اعمال نامہ، مشاہدات اور سبزۂ بیگانہ میں ممدوحہ کا مفصل ذکر ملتا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

موخر الذکر نے اپنی خود نوشت سبزہ بیگانہ میں ایک لطیفہ بھی رقم کیا ہے کہ ایک بار گوہر جان کی محفل میں کوئی پٹھان حضرات بھی تشریف فرما تھے اور وہ ناچ رہی تھی، ایک خان صاحب نے کھڑے ہو کر پشتو راگ کی فرمائش کی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید وہ یہ راگ اتنی خوش اسلوبی سے نہی گا سکے گی مگر وہ تو بلا کی گائیکہ اور رقاصہ تھی اور بہت سی زبانوں کے راگ اور ناچ سے واقف تھی۔ اُس نے ایسا نفیس جھومر ناچ شروع کیا کہ ناچتے وقت سر کو پچھلی طرف اتنا جھکا لیتی کہ وہ زمین کو چھونے لگتا۔ ایسا مشکل اور انوکھا ناچ دیکھ کر سب حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے اور پٹھانوں نے ''لوشے، لوشے'' کہہ کر داد دی۔ رقص ختم ہونے پر فرمائش کرنے والے خان صاحب نے بڑی وارفتگی اور جوش کے ساتھ کہا ——————

وَوئی وَوئی گوہر جان، قربانت شوم، نام افغاناں روشن کردای۔

کہتے ہیں کہ گوہر جان داغ کی اُردو غزل۔

وہ جانا پھیر کر چتون کسی کا
ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا

اور ہندی گیت۔

رام کرے کہیں نیناں نہ اُلجھیں

یا

چھپ دکھلا جا بانکے رے سنوریا

گا کر سامعین کو دیوانہ بنا دیتی تھی اور ہزاروں سامعین و حاضرین کی محفل میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ بچتی تھی۔

اہلِ سماع کہتے ہیں کہ بہت رات گئے جاڑوں کی خنک چاندنی راتوں میں کولکتہ کی تنگ و تاریک گلیوں میں گوہر جان کی ٹھمری کے دل کو چھونے والے ''ٹکڑے'' آج

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی گونجا کرتے ہیں ـــــــ بہت دیر تک ـــــــ دُور دُور تک ـــــــ ؎

غبار آلود ہیں پائے حنائی
مٹا کر آئے ہو مدفن کسی کا

کون جانے آج بھی پائے حنائی کی ٹھوکروں سے کوئی کسی کا مدفن مٹا کر آتا ہو۔

(۲۰۱۱ء)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئے مر کے ہم جو رُسوا

ہوئے مر کے ہم جو رُسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کوئی مزار ہوتا
(غالبؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئے مر کے ہم جو رسوا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب کسی شخص کی موت ہوجاتی ہے تو کچھ عرصہ کے بعد قبر میں اُس کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ پھر کچھ اور وقت گذرنے کے بعد وہ ہڈیاں بھی سرمہ ہو کر خاک ہوجاتی ہیں اور اس طرح سے مٹی ——— مٹی میں مل جاتی ہے، خاک ——— خاک کے ساتھ پیوستہ ہوجاتی ہے۔ ایک زندگی تمام ہوجاتی ہے، ایک کہانی اختتام پذیر ہوجاتی ہے اور ایک داستان گُم ہوجاتی ہے۔ کھو جاتی ہے، تحلیل ہوجاتی ہے۔ آدمی شریف ہو، نیک اور باکردار ہو تو وہ مٹی بہت دیر تک خوشبو دیتی ہے اور عرصہ دراز تک اُس شخص کے ساتھ ساتھ اُس کے مدفن کو بھی یاد رکھا جاتا ہے۔ بلکہ عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے وہی احترام کبھی حدِ احترام سے نکل کر پرستش کی حدوں کو چھونے لگتا ہے اور اس طرح سے آدمی گاہے گاہے قبر پرستی پر آجاتا ہے گرچہ عبد کے ذہن میں عبادت کا تصور موجود نہیں ہوتا اور وہ عبودیت کی غرض سے سر نہیں جھکاتا بلکہ وہ قدم احترام کا ہی ایک انتہائی قدم ہوتا ہے۔ مگر شرعی قانون اس کی مناہی کرتے ہیں۔ اس عمل پر قدغن لگاتے ہیں کیونکہ ظاہر طور پر وہ عبادت ہی لگتی ہے۔ کسی کے من میں کیا ہے؟ دل کے ایوانوں میں کون سے بُت خانے سجے ہیں یا کون سے گلستان محو رقصاں ہیں، اُس اندرونی جشنِ بہاراں سے بھلا کون واقف ہوسکتا ہے۔ اس کے برعکس ظالم، بدطینت اور بدکردار شخص کو لوگ تو جلدی ہی بھول جاتے ہیں مگر اُس کی مٹی بے قرار رہتی ہے۔ اُس کا مدفن بے چین رہتا ہے اور اُس کی مٹی مضطرب رہتی ہے۔ عرصہ تک، بہت دیر تک ———

تاریخ میں ایک ایسے ہی شخص کا تذکرہ ملتا ہے جو اگر زندہ ہاتھ آجاتا تو نہ جانے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا اور اُس کا کیا حشر ہوتا۔ مگر تب بھی مرنے کے بعد بھی اُسے بخشا نہ گیا بلکہ آنے والوں نے اُس کے کرتوت کی وجہ سے اُس کی مٹی پلید کی۔ اُس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی باقیات تو نہ ملیں مگر غصہ اُس کے مدفن کی مٹی پر اُتارا گیا۔

طاقت، حکومت اور اقتدار کے لالچ میں شاہی خاندانوں میں نہ جانے کتنے افسوسناک واقعات ظہور ہوتے رہتے ہیں۔ شاہی ایوانوں اور محلوں میں کیا کیا اور کیسی کیسی سازشیں پروان چڑھتی رہتی تھیں۔ کیسے کیسے کٹھ بندھن ہوتے رہتے تھے اور اقتدار کی ہوس میں آدمی انسانیت کی ڈگر سے گر کر کیا صورت اختیار کر لیتا تھا ایسی بہت کم باتیں دنیا کے سامنے آجاتی تھیں۔ زیادہ تر اندھیروں کی کارستانیاں اور موشگافیاں اندھیروں میں ہی دم توڑتی تھیں۔ ایک واقعے کا ذکر ''واقعات جہانگیری'' نامی کتاب میں ملتا ہے جس پر غور کیا جائے تو عبرت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ نہ بھی بن سکے تب بھی یہ واقعہ حقیقی معنوں میں ہلا کے رکھ دیتا ہے۔

کہتے ہیں سلطان ہند غیاث الدین جب اسّی برس کا ہو چکا تھا اُس کا بیٹا اور ولی عہد سلطنت ناصر الدین باپ کے مرنے کا انتظار کرتے کرتے عاجز آچکا تھا کیونکہ وہ جلد سے جلد اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے تخت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یوں بھی باپ کے ہوتے ہوئے اُسے کسی چیز کی تنگی نہ تھی اور نہ ہی اُس کے روزانہ ناؤنوش، شغل وشغف اور بزم آرائیوں میں کوئی فرق آرہا تھا اور نہ کوئی پریشانی یا رکاوٹ تھی مگر پھر بھی وہ تمام خرمستیاں اور سیاہ کاریاں آزادانہ ڈھنگ سے کرنے کا متمنی تھا۔ اُس نے دو بار زہر دے کر باپ کو مارنے کی کوشش کی مگر سلطان غیاث الدین دونوں بار معجزاتی طور پر بچ گیا۔ آخر تنگ آکر ایک دن ناصر الدین خود شربت میں زہر ملا کر باپ کے پاس لے گیا اور باپ پر زور ڈالا کہ وہ شربت پی لے۔ بیٹے کی ضد اور نیت بھانپ کر غیاث الدین معاملے کو سمجھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ بیٹا اُسے جلد سے جلد راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ کمزور اور ناتوان بادشاہ خدا کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

''اے پروردگار میں اسّی برس کا ہو گیا ہوں۔ اتنے دن عیش و آرام اور چین سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گذارے۔ مجھے زندگی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ تو نے مجھے وہ زندگی عطا کی جو بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی میسر نہ ہوسکی۔ وہ کون سی نعمت ہے جو تو نے اس بندے کو عطا نہ کی۔ میرے پاس حکومت، عزت، دولت کیا کچھ نہیں ہے۔ اس آخری وقت میں میری یہی گذارش ہے کہ میرے گناہ معاف ہوں، میری خطائیں درگذر کی جائیں اور میرے خون کا جواب میرے بیٹے سے طلب نہ کیا جائے۔ وہ جذبات کی رو میں بہک گیا ہے اس لیے وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے"۔ اتنا کہہ کر اُس نے شربت کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

ناصر الدین کی مراد بھر آئی۔ وہ غمزدہ ہونے کی بجائے خوشی سے جھوم اٹھا۔ اُس نے باپ کے مرنے کا غم رقص و سرود کی محفل سجا کر منایا۔ اڑتالیس سال کی عمر میں وہ تخت پر بیٹھا۔ اپنی تاجپوشی کی رسم خوب دھوم دھام سے منائی اور پھر تخت پر بیٹھتے ہی اپنی عیاشیوں میں مست ہوگیا۔ اُس نے دربار، ایوان انصاف، سیاسی معاملات، پڑوسی ممالک کے ساتھ رشتے اور تعلقات، فوج کی درستی اور ملکی نظم و نسق کے معاملات کو بھاڑ میں جھونکا اور اپنے عمایدین سلطنت سے کہا:

"میرے باپ نے اپنی زندگی کے تیس سال سپاہی بن کر گذارے۔ وہ ہمیشہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار جنگ و جدل میں مصروف رہا۔ مگر مجھے جنگ، خون خرابے اور فتوحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لیے کھاؤ، پیو اور موج مناؤ، عیش کرو۔ فوج کشی اور جنگ و جدل کو بھول جاؤ"۔

اس طرح سے بیس سال کی دور حکومت میں اس نے کبھی کسی پر حملہ کیا نہ اُس پر کسی نے کیا۔ اُس نے یکسر رزم کو خیرباد کہہ کر صرف بزم سے دلچسپی رکھی۔ تیغ و تفنگ کو چھوڑ کر مے و مینا کا ہی رسیا بنا رہا۔ وہ بے حد رنگین مزاج تھا۔ جہاں کہیں کسی حسین دوشیزہ کا سراغ ملتا، جب تک وہ محل میں نہ آجاتی اُسے چین نہ ملتا۔ اس طرح سے اُس نے قریباً پندرہ ہزار عورتیں اپنے حرم میں جمع کرلیں۔ پھر اُسے ایک عجیب خیال سوجھا، طبیعت پر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عیاشی سوار تھی اس لیے اُس نے عورتوں کا ایک شہر ہی بسا ڈالا۔ اُس شہر میں گورنر، جج کے علاوہ باقی سارے عہدوں پر عورتیں ہی کام کرتی تھیں اور مردوں کا وہاں دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔ اور اس طرح سے اپنے دن پورے کر کے وہ بھی راہیٔ ملک عدم ہوا مگر اُس کی بدکرداری کی داستانیں زندہ رہیں۔ اُس کی سیاہ کرتوت تاریخ کے سیاہ باب بن کر رہ گئے۔

اپنے وقت پر اور اپنی دور حکومت میں جب شیر شاہ سوری مذکورہ سلطان ناصر الدین کے مقبرے پر آیا تو اُس نے قبر کو لاٹھیوں سے پٹوایا۔ کیونکہ اُس کے کارناموں کے بارے میں سُن کر وہ غصے میں آگیا۔ اور اس طرح سے اپنے جلوس شاہی میں جب جہانگیر بادشاہ وہاں گیا تو اُس نے نہ صرف خود اُس قبر پر لاتیں ماریں بلکہ اپنے خادموں کو بھی قبر پر لاتیں مارنے کا حکم دے دیا۔ اُس پر جب طبیعت سیر نہ ہوئی تو اُس نے قبر ہی کھدوادی اور قبر کی مٹی کو آگ میں ڈلوادیا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ آگ بھی اُس کی ناپاک مٹی سے ناپاک ہوجائے گی تو مٹی کو نربدا ندی میں پھنکوادیا اور یوں بادشاہ کا غصہ کسی حد تک کم ہوگیا۔ تاریخ میں شاید ہی کسی بادشاہ کی مٹی اتنی رسوا اور ذلیل وخوار ہوئی ہو۔

نیکی، عدل و انصاف، خیر خواہی، حُسنِ سلوک اور غم خواری زندگی کی تنویریں ہیں اور انمٹ ہیں۔ مدت مدید تک یاد کی جاتی ہیں اور یاد رکھی جاتی ہیں۔ زمانے بیت جاتے ہیں مگر کرم فرمائیاں اور عدل گستری تمام عالم میں اپنی ایک خوشبو بکھیرتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس ظلم و جبر، استحصال، برائی، تنگ طلبی اور بدخواہی زندگی کی تاریکیاں ہیں اور مٹنے والی نہیں ہوتی ہیں۔ اور بُرے ناموں کے ساتھ بدبو کی طرح قائم رہتی ہیں۔ عادل مر کر بھی مرتا نہیں ہے، فنا نہیں ہوتا جب کہ ظالم زندگی میں ہی فنا ہوجاتا ہے، زندہ درگور ہوجاتا ہے۔ یہی قانونِ فطرت ہے جو اٹل، بے لاگ اور جاوداں ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سوزِ دروں

گراں گذرتی ہے یہ بات بھی حریفوں کو
کہ زخم کھاکے بھی ہم چشمِ تر نہیں رکھتے
(ظفرؔ مرادآبادی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سوزِ دروں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عالم اسلام کے خلاف امریکہ کی در پردہ اور کھلم کھلا چھیڑی ہوئی جنگ میں بھارت کے انتہا پسند ہندوؤں کی شمولیت سے اکثر لوگ حیرانی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ حیرانگی کی کوئی بات ہی نہیں ہے کیونکہ تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب بخوبی جانتے ہیں کہ ویر ساور کر کے چیلے ہر اُس بات کی ہمہ تن مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں مسلمانوں کے لیے ذرا سی بھی راحت ہو یا وہ بات مسلمانوں کی موافقت میں کہی گئی ہو اور ہر اُس بات کے شانہ بہ شانہ رہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی سبیل اور بے عزت و ذلیل ہونے کی دلیل ہو۔ چونکہ نہ صرف امریکہ بلکہ نصف سے زیادہ دنیا یہودی مایا جال کی شکار ہو کر یہودی ایجنڈے پر کام کر رہی ہے اور اُن ہی کی پالیسیاں روبہ عمل لا رہی ہے اس لیے یہ کوئی حیرت میں پڑنے والی بات نہیں ہے۔ یہودی ایجنڈے کی پہلی شق ہی مسلمانوں کا استحصال اور تباہی و بربادی ہے اور یہ چیز ہندو متعصب جماعتوں کے ساتھ ایک قدر مشترک ہو سکتی ہے۔ جو اُن کی آئیڈولوجی سے میل کھاتی ہے اس لیے ہندو متعصب جماعتوں کا یہودی اشارے پر ناچنا لازم و ملزوم ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ جماعتیں جنہوں نے ہندوستان کا آئین اور سیکولر کردار داغدار کیا ہے یہود سے مسلمان کو تباہ کرنے کے مشورے طلب کرتی ہے۔ نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہر وہ بات جو فلسطین میں مسلمان کی نسل کشی کے لیے استعمال ہوتی ہے وہی یہاں پر بھی عملائی جاتی ہے۔ وہاں بھی زبردستی غیروں کو لالا کر بسایا جاتا ہے یہاں پر بھی وہ عمل جاری ہے۔ وہاں پر بھی نونہال نسل کا قلع قمع کیا جا رہا ہے یہاں پر بھی وہی کچھ ہو رہا ہے وہاں زیتون کے پیڑ کٹ رہے ہیں یہاں سیب کے پیڑ کاٹے جا رہے ہیں۔ وہاں عربوں پر کوئی اعتبار نہیں یہاں مسلمان کی کوئی شناخت ہی نہیں ہے۔ وہاں پر بھی نوجوان عرب نسلی جیلوں اور عقوبت خانوں میں بوڑھی ہو رہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے یہاں پر بھی نوجوان کالے قانون کی زد پر ہے۔ قصوروار تو تائب ہی ٹھہرے مگر یہاں ہندوستان کے مختلف علاقائی جیلوں میں بے قصور مسلمان ظلم و جبر سے ہراساں تڑپ تڑپ کر گھٹ گھٹ کر ایام اسیری کاٹ رہے ہیں۔ اُس نوجوان کی بات بھلا کون سنے گا جو شملہ کے مال روڈ پر شالوں کی گھڑی لیے خریداروں کو بلا رہا تھا، اپنے سودے کی طرف متوجہ کر رہا تھا کہ دہلی پولیس کے سورماؤں نے آکر اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور تہاڑ جیل پہنچا دیا۔ یہاں اُسے پینٹ شرٹ پہنا کر ایک خالی پستول ہاتھ میں تھما کر ایک حلوائی کی دوکان سے مٹھائی خریدنے کو کہا گیا۔ بندوق کی نوک پر اُس نے ویسا ہی کیا اور دوسری طرف سے پولیس نے آکر اُس سے پستول برآمد کر لیا اور ایکدم اُسے کشمیری آتنک وادی گوشت کیا گیا۔ کیا انصاف ہے اور کیا وردی کی حرمت ہے، کیا مسلمانوں کی قسمت ہے۔ کن جھمیلوں میں ایک معصوم نوجوانوں کو پھنسا کر اُس کی زندگی جہنم زار بنا دی گئی۔ معروف شاعر ساحرؔ لدھیانوی پر گرچہ زندگی اتنے بھیانک روپ میں منکشف نہیں تھی مگر شاید وہ بھی ہمارے ہی لیے قبل از وقت کہہ گئے ہیں۔

اے آسمان والے کبھی تو نگاہ کر
کب تک یہ ظلم سہتے رہیں خامشی سے ہم
تنگ آچکے ہیں کشمکش زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ایک ایسے سماجی و سیاسی ماحول میں جی رہے ہیں جو بے حد شرمناک، ہیبت ناک اور اذیت رساں ہے۔ انگریز نے اُن سے حکومت، ثروت اور دولت چھین کر لاکھوں کو تہہ تیغ کیا، ہزاروں کو سڑک پر لا کر ہاتھ پھیلانے کے لیے مجبور کیا اور ہندوؤں نے برسرِ اقتدار آکر اُن سے عزت، آبرو، شہری حقوق، زبان، تعلیم اور ماضی چھین کر اُنہیں سماج میں بدترین درجے کا شہری بنا کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چھوڑ دیا اور کبھی چین کی سانس لینے کی اجازت نہیں دی۔ تقسیم ملک سے قبل یہی بات مسلمان قائدین کے دل و دماغ میں پھانس بن کر کھٹک رہی تھی۔ وہ دور اندیش اور دور بین تھے اور انہوں نے اس بات کو قبل از وقت ہی محسوس کیا تھا اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا تقاضا زور پکڑ گیا تھا جس کو حاصل کر تو لیا تھا مگر اُس کے لیے سات لاکھ مسلمانوں کو نئے وطن کے قدموں میں بھینٹ چڑھانا پڑا۔

تقسیم ملک کے وقت نواکھلی کے فسادات میں کئی مسلمانوں کے ساتھ تین ہندو بھی مارے گئے تھے۔ اُن کا انتقام لینے کے لیے ہندوؤں نے بنگال میں بلوہ کیا اور سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا، درجنوں لڑکیوں کی آبرو لوٹی اور ہزاروں گھروں کو جلا ڈالا۔ اس دلدوز سانحہ پر مہاتما گاندھی نے بھوک ہڑتال شروع کی جس کی پاداش میں اُس کو اپنے ہی ''دھرم پتر'' نے قتل کر ڈالا۔ قاتل نے عدالت میں جو بیان دیا وہ جھوٹ کا ایک پلندہ تھا اور اُس کے ایک لفظ سے مذہبی تعصب، نفرت، رجعت پسندی اور مسلم دشمنی ٹپکتی ہے بلکہ اُس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ مہاتما کا قتل صرف مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی جتانے کے باعث ہوا تھا۔ اپنے بیان میں متعصب کٹر پنتھی ناتھورام گوڈسے ایڈیٹر ہندو راشٹر پونا نے کہا تھا:

''ایک برہمن خاندان کا فرد ہونے کے باعث ہندو دھرم اور ہندو کلچر کی تعظیم و تکریم مجھ پر واجب تھی۔ مجھے اپنے ہندو ہونے پر فخر و ناز ہے۔ میں نے گوکھلے، تلک، وِویکانند کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے علاوہ فرانس، روس اور امریکہ کی تواریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔ مزید برآں میں نے سوشلزم اور کمیونزم کے ساتھ ساتھ ویر ساورکر کو بہت قریب سے پڑھا۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ مجھ میں ہندو اِزم اور ہندو عوام کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا۔ ہندو ساری دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ اُن کی خدمت اور حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد میرا فریضہ عظیم ہے۔ اُس تعلیم نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں ہندو سنگھٹن کی آئیڈیالوجی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دوں۔

سن ۱۹۴۶ء میں سہروردی حکومت کے زیر اثر مسلمانوں نے نواکھلی میں ہندوؤں پر جو ستم ڈھائے انہوں نے میرا خون کھولا دیا، میرے غصے کی انتہا نہ رہی جب اُسی سہروردی کو گاندھی نے شہید صاحب کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ گاندھی نے ہریجن کالونی کے ہندو مندر میں قرآن کے اوراق پڑھنا شروع کئے، اُس کے برعکس وہ مسلمانوں کی مسجدوں میں گیتا پڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اُس کے انجام سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ ہندوؤں کے تحمل اور مذہبی رواداری کی وجہ سے اُن کے احساسات کو کچل رہے تھے۔

نواکھلی کے فوراً بعد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی مسلم تعصب نے جھگڑے فساد برپا کئے۔ کانگریس حکومت نے مسلم قوتوں کے تحفظ کی خاطر بہار، کلکتہ، پنجاب اور دوسرے علاقوں میں ہندوؤں پر گولیاں برسائیں۔ سب سے شرمناک بات یہ ہوئی کہ جب ۱۵/ اگست کو جشنِ آزادی منایا جا رہا تھا، پنجاب کے مسلمان ہندوؤں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔ مجھ جیسے ہندو مہا سبھائیوں نے اُس جشنِ آزادی کا بائیکاٹ کر کے مسلمانوں کو اُن کی خون ریزیوں سے روکنے کے لیے قدم بڑھایا۔

پانچ کروڑ مسلمان ہمارے وطن سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے مغربی اور مشرقی پاکستان سے غیر مسلم اقلیت کو باہر نکال کر پھینک دیا۔ پھر بھی گاندھی مسلمانوں کو خوش رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہے تو میرا خون کھولنے لگا۔ جب تک گاندھی فلاسفی کا پرچم لہراتا رہے گا محرومی شکست خوردگی اور نامرادی کے سائے ختم نہیں ہو سکتے۔ اُن کے چرخے اور عدم تشدد نے ہمیشہ انقلابی ذہنوں کو پامال کیا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ گاندھی کے عدم وجود سے ہندوستانی سیاست کا رخ پلٹ جائے گا اور ہماری قوم مضبوط ہو جائے گی۔ ہندوستان کو پاکستان کے حملوں سے نجات مل جائے گی۔ انہی حالات کے پیش نظر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں نے ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو برلا ہاؤس میں گاندھی پر گولیاں برسائیں۔ مجھے کوئی شرمندگی یا ندامت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا اور سوچ سمجھ کر کیا۔

میری آخری خواہش اور دُعا یہی ہے کہ میرا ملک متحد ہو کر ایک ہو جائے اور اس کے عوام اُس شکست خوردہ ذہنیت سے متنفر ہو جائیں جو اُنہیں ''حملہ آوروں'' کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا سبق دیتی ہے''۔

مندرجہ بالا کذب بیانی اور متعصبانہ کٹر پنتھی سوچ پر کسی رائے زنی کی حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ خود وضاحتی ہے۔ زہر قاتل میں بجھے ہوئے الفاظ ایک مردہ بیمار گندی ذہنیت کی غلاظت ہے جسے اُس کی جماعت، اُس کی جیسی سوچ رکھنے والے گندی ذہنیت کے لوگ ہی قابل اعتنا سمجھتے ہوں گے۔ اگر اُس جیسی سوچ کے لوگ ہندوستان میں پیدا ہوتے رہیں گے تو پھر بائیس کروڑ مسلمانوں کا ہندوستان میں ایک دن بھی رہنا محال ہو جائے گا، گرچہ اس طرح کی کوششیں کئی بار کی جا چکی ہیں کیونکہ گوڈسے، اوک اور مدھوک کی روحیں پُنر جنم لیتی ہیں اور بار بار مسلمانوں پر قہر بن کر برستی ہیں۔ نہیں تو کیا ایک متمدن سماج متمدن دنیا کا متمدن انسان اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہوگا کہ جب اُسے یہ بتایا جائے گا پینسٹھ برس میں ہندوستان میں جن میں مسلمانوں کا سب کچھ لٹ گیا۔ کولکتہ کی فیکٹریاں، کانپور کے چمڑے کے کارخانے، علی گڑھ کے تالے، مرزا پور کے ہتھ کرگھے، میرٹھ کی کھدر، مراد آباد کے برتن، بنارس کا بروکیڈ اور نہ جانے کیا کیا۔ آج بیشتر مسلمان ہندوستانی بھر میں ترکھان معماری کا کام کرتے ہیں، سبزی کا ٹھیلہ لگاتے ہیں یا رکشا کھینچتے ہیں اور اپنی زندگی کی گاڑی کو آگے ہانکتے ہیں۔ لد گئے وہ دن جب جامع مسجد دہلی کے آس پاس فی سبیل اللہ سقہ گیری کرنے اور راہ گیروں کو پانی پلانے والا شخص اپنی ڈیوڑھی کے باہر ہر جمعرات کو ہزاروں روپیہ اور کئی جوڑے کپڑوں کے خیرات دیا کرتا تھا۔ گوڈسے کا کہنا ہے کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پندرہ اگست یوم آزادی کے دن پنجاب میں مسلمان ہندوؤں کی خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔ اب فتنہ ساز کا فتنہ دیکھئے اُسی پنجاب میں اُنہی دنوں ننگی مسلمان عورتوں کا جلوس نکالا گیا اور بعد میں اُن کی بے حرمتی کر کے اُن کے پستان کاٹ ڈالے گئے اور اُن عورتوں کے بچوں کے سر نیزوں پر لٹکا کر اپنی ویرتا اور خوں آشامی درشائی گئی۔ باقی جگہوں پر کیا ہوا وہ اس وقت میرا موضوع نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ مکروہ قاتل کی بھری عدالت میں کیسی اور کس طرح کی کذب بیانی تھی۔ بہر حال اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

گراں گذرتی ہے یہ بات بھی حریفوں کو
کہ زخم کھا کے بھی ہم چشم تر نہیں رکھتے
(ظفر مراد آبادی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب لاد چلے گا بنجارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
(نظیر اکبر آبادی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب لاد چلے گا بنجارا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غور وفکر کرنے سے بڑے لاینحل مسائل حل ہو جاتے ہیں اور پیچیدہ گتھیاں سُلجھ جاتی ہیں۔اس لیے جلد بازی میں اٹھایا قدم (Rash decision) شیطان کا قدم اور صبر وتحمل، سوچ سمجھ کر لیا گیا فیصلہ، صحیح فیصلہ بلکہ خدائی فیصلہ مانا جاتا ہے۔شاید اسی لیے قرآن کریم نے بار بار اور بااصرار غور وفکر کرنے، تدبر سے کام لینے، عقل کا استعمال کرنے اور فہم وادراک کو روبہ عمل لانے کی تلقین کی ہے۔میرا ایسا ماننا ہی نہیں بلکہ پختہ یقین ہے کہ منہ اندھیرے تھال گھنٹے پیٹنے والے، ناقوس وشنگھ بجانے والے، غیر اللہ کو آواز دینے والے، اہرمن اور یزدان کی خدائی ماننے والے یا تثلیث پر تکیہ کرنے والے، انسان کی لکھی ہوئی اور مرتب کی ہوئی ایک کتاب کو مجسم بہ روح وجسد تصور کرنے والے اگر رب کریم کی ایک معمولی سے معمولی یا ادنیٰ ترین (Petiest) عنایت پر صرف ایک بار صحیح سوچ وسمجھ، فہم وادراک کو بروئے کار لا کر اور شیطانی وساوس کو چھوڑ کر سچے دل وذہن سے غور کریں گے تو وہ یقیناً شرکیات وبدعات کو خیرباد کہہ کر آقائے عرش کو ہی ہر ایک چیز کا خالق ومالک اور ہر شئے پر دست قدرت رکھنے والا تسلیم کریں گے۔پھر اسی کی کبریائی کے سامنے سربسجود ہو کر اپنے سابقہ کئے پر پچھتا کر معافی اور عفو ودرگذر کے خواستگار ہوں گے اور غیر اللہ کے در پر دستک دینے سے پرہیز کریں گے۔

کہتے ہیں کہ چہرہ دل کی کتاب ہوتا ہے۔چلیے آج دل کی کتاب کھول کر اس میں اپنے چہرے کو ہی پڑھ لیتے ہیں۔لیجئے میں پڑھ لیتا ہوں آپ پلیز غور سے سُنیے اور پورا دھیان دیجئے۔چہرے پر آپ کو چار خاص چیزیں رب کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں۔ دو آنکھیں، ناک، منہ اور زبان، گرچہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بہترین ناک ونقشے اور صورت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔پھر اگر موجودہ صورت سے قطع نظر صورت حال دیگر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتی۔ مان لیجئے اگر رب العزت انسان کو کسی اور ہی شکل وصورت میں تخلیق کرتا۔ اُس کی آنکھیں ماتھے پر رکھتا، ناک کو سر کی پہشت پر کر دیتا اور منہ کو ٹھُڈی کے نیچے رکھتا۔ آپ اسے ہیبت کذائی کہیں گے، صحیح ہے، مگر جب انسان ایک ہی ناک ونقشے کے ہوتے تو پھر اپنی یا کسی دوسرے کی شکل وصورت ہیت کذائی نہیں لگتی اور کوئی ایک دوسرے کو بھوت کہتا اور نہ سمجھتا نہ ٹھٹھول کرتا نہ پھبتی کستا۔ مگر واللہ اگر رب نے آپ کو اُسی جمالیاتی نہج (Fair Method) پر تراشا ہوتا تو آپ اپنی زندگی سے عاجز آ کر سن شعور کو پہنچتے پہنچتے ہی خودکشی کر لیتے کیونکہ آپ کو اپنی زندگی کی بقا کے لیے حد سے زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اس طرح کہ جب آپ کھانا کا لقمہ اُٹھائے تو پہلے ماتھے پر لے جا کر آنکھوں کو ملاحظہ کے لئے پیش کرتے کہ آیا اُس میں کوئی میل، کھوٹ، گندگی تو نہیں۔ پھر سر کے پیچھے لے جا کر ناک کے حضور پیش کرتے تا کہ وہ سونگھ کر بتائے کہ لقمہ گلا سڑا یا بدبودار تو نہیں اور ان سب مراحل سے گزر کر ہی لقمے کو ٹھُڈی کے نیچے لے جا کر منہ میں ڈالنے کی باری آتی۔ اُس صورت میں لقمہ دائیں بائیں بھی جا سکتا تھا اور اُس کے علاوہ پکی پکائی غذا آپ کے نصیب میں نہ ہوتی جب کہ آپ کو ونا سپتی پر ہی گذارہ کرنا پڑتا۔ مگر موجودہ صورت میں یہ سب چیزیں ایکبارگی، ایک ہی ثانیے میں روبہ عمل ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ لقمہ اُٹھاتا ہے، آنکھیں دیکھتی ہیں، ناک سونگھتی ہے اور منہ اُسے قبول کر لیتا ہے اور یہ سب بغیر کسی دِقت کے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ چاروں عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔

لذت یوں تو سات آٹھ طرح کی ہوتی ہے جیسے کھٹا، میٹھا، نمکین، کھٹا میٹھا، کوڑا، کڑوا، ترش، تلخ وغیرہ ——— مگر اللہ خالق الباری نے جو زبان آپ کو عطا کی ہے، وہ نہ صرف الفاظ کی ادائیگی، کھانے کو منہ میں ہلانے جلانے میں ممد ومعاون ہے بلکہ زائد از ایک ہزار لذات پرکھنے کی بھی متحمل ہے۔ کیا پھر بھی "لقد خلقنا الانسان فی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

احسن تقویم" کو بھول کر اور مالک کون و مکان کو چھوڑ کر آپ غیر اللہ کو ہی پکارتے رہیں۔ شنکھ اور منجیرے ہی بجاتے رہیں گے۔ مجرد اور راہبانہ زندگی ہی گذارتے رہیں گے جب کہ بجز باری تعالیٰ کوئی ناصر و مددگار نہیں ہوسکتا ہے۔

ذرا سوچیے، سمجھیے، غور کیجئے اور تفکر فرمایئے یہ چھوٹی سی چند روزہ دنیاوی زندگی صرف ایک ہی بار ملتی ہے جو کچھ کرنا ہے زندگی میں ہی کرنا ہے۔ مٹی کے اندھیرے گڑھے میں گئے تو دنیا کے سارے کنکشنوں کے فیوز اڑ جاتے ہیں۔ اس لیے وہاں کا ویزا آنے سے قبل ابدی زندگی کے لیے کچھ پونجی بھی جٹانے کی ضرورت ہے۔ تہی دستوں کو میٹرو میں سفر کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ ٹکٹ خریدنے کے لیے کچھ پاس ہونا لازمی ہے کیا کانٹوں پر گھسٹ گھسٹ کر چلنا کچھ اچھا لگتا ہے۔ یاد رکھیے، غور فرمایئے بلکہ بسور لیئے ؎

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
(نظیر اکبر آبادی)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آٹھویں صلیبی جنگ

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی
(غالبؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آٹھویں صلیبی جنگ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یوں تو ابتدائے اسلام سے ہی ہلال وصلیب کے کئی معرکے ہو چکے ہیں مگر اُن میں سے سات صلیبی جنگیں خاص طور سے مشہور ہیں۔ سن ۶۳۸ء میں دوران خلافت حضرت عمر فاروقؓ یروشلم فتح ہوا تھا۔ اُس کے بعد لگ بھگ ساڑھے چار سو سال تک عربوں اور عیسائیوں کے تعلقات بہت اچھے رہے۔ اس دوران یروشلم پر سلجوقی ترکوں کی حکومت قائم رہی۔ سن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم جو خود فرانسیسی تھا نے حکومت اور فرانسیسی عوام سے اپیل کی کہ یروشلم کے مقدس شہر کو "ظالم مسلمانوں" سے آزاد کرانا ہے۔ اس سلسلے میں وسائل جٹائے گئے اور مکمل تیاری کے بعد ایک عظیم فوج نے تیاری کر کے پیش رفت کی مگر سلجوقی ترکوں کی ایک مختصر سی فوج نے اُس لشکر جرار کے چھکے چھڑا کر بخیے اُدھیڑ دیئے۔ شکست کے بعد سن ۱۰۹۸ء میں بدلے کی آگ سے بھسم پورا یورپ مسلمانوں کے خلاف اُمڈ پڑا۔ یورپی ایک لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے پہلے شام، پھر عدلیہ اور پھر دو ماہ کے اندر اندر انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح سے یہ فتح یاب لشکر شادیانے بجاتا ہوا، رزمیہ گیت گاتا ہوا یروشلم میں داخل ہو گیا اور آتے ہی انہوں نے اپنی خباثت کو بروئے کار لا کر چُن چُن کر مسلمانوں کا قتل عام کیا جو وہ ہمیشہ سے کرتے آئے تھے۔ مگر سن ۱۱۸۷ء میں جب غازی صلاح الدین ایوبیؒ نے دوسری صلیبی جنگ میں بیت المقدس واپس حاصل کر لیا تو اُنہوں نے مفتوحین کو امان دے دی۔ بلا جواز خون کا ایک قطرہ نہیں بہایا اور یقیناً وہی شیوہ مسلمانی ہے۔

تیسری صلیبی جنگ میں بحری بیڑہ بھی شامل تھا۔ اُس یلغار میں جرمنی کا بادشاہ فریڈرک، فرانس کا بادشاہی فلپ اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اول جس کا لقب رچرڈ شیر دل تھا بہ نفس نفیس شامل ہوئے۔ سن ۱۱۹۰ء میں ایک زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس میں غازیوں نے یورپی افواج کی صفیں اُلٹ کے رکھ دیں۔ اس جنگ کے ختم ہونے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے پانچ سال بعد غازی صلاح الدین ایوبی کا دمشق میں انتقال ہوگیا۔ چند سال کے بعد صلیب و ہلال کا چوتھا معرکہ بھی پوپ کی شہہ پر لڑا گیا مگر اس دفعہ بھی عربوں نے اُن کے خواب چکنا چور کر دیئے۔ ابھی چند سال بھی سکون سے نہیں گذرے تھے کہ سن ۱۲۱۸ء میں عکہ کے عیسائی حکمران جیس ڈی برین کو پھر یروشلم کا خیال آیا۔ وہ سمندر کے راستے سے ایک زبردست بحری بیڑے کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر اُسے بھی منہ کی کھانی پڑی، وہ پانچواں صلیبی معرکہ تھا۔ اور اس طرح سے پانچویں بار بھی متکبر شاہانِ یورپ اور اہالیان تثلیث کے مقدر میں شرمندگی اور رسوائی ہی لکھی تھی۔

جین ڈی برین والیٔ عکہ کا داماد جرمنی کا بادشاہ فریڈرک تھا۔ اُس نے سن ۱۲۲۸ء میں حکمت عملی سے کام لے کر اور کچھ خوف ڈال کر یروشلم کے کمزور حکمران کو تمام مقبوضہ مسلم علاقے بجز مسجد عمرؓ عیسائیوں کے حوالے کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس سے تمام عالم اسلام میں ایک زبردست غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے چند سال کے بعد یعنی ۱۱۴۴ء میں پھر یکجا ہو کر تمام مقبوضہ علاقہ عیسائیوں سے چھڑا لیا اور دوبارہ یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ یہ صلیبی جنگ کا چھٹا معرکہ کہلایا۔ اس دوران فرانس کے بادشاہ لوئی نہم نے پھر یروشلم پر قبضہ کرنے کی قسم کھائی۔ وہ ۱۲/ اگست ۱۲۴۸ء کو مصر کے راستے ایک بہت بڑی فوج جو تمام سامان ضرب و حرب سے لیس تھی چڑھ آیا مگر مسلمانوں نے اُسے دریائے نیل میں غرق کر کے واصل جہنم کر دیا اور فرعونی فوج کے پہلو بہ پہلو سُلا دیا۔ اس طرح سے ساتویں صلیبی جنگ کے فاتح بھی مسلمان ہی ٹھہرے۔

سن ۱۹۶۵ء اور پھر سن ۱۹۷۱ء میں پاک و ہند ایک دوسرے کے ساتھ متحارب تھے۔ دونوں ملکوں کے پروپیگنڈا ریڈیو سٹیشنوں سے اپنے ملک کے سرحدوں کی حفاظت کے لیے بڑھ چڑھ کر جوشیلے نغمے اور خون میں اُبال پیدا کرنے والی تقریریں نشر کی جاتی تھیں۔ متحارب ملکوں کے لیے پروپیگنڈا ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں سرحد پار سے یہ رزمیہ اشعار اکثر و بیشتر سننے کو ملتے تھے۔

آج ہندیاں جنگ دی گل چھیڑی
اکھ ہوندی حیران حیرانیا دی
مہاراج یہ کھیڑ تلوار دی
جنگ کھیڑ نہیں ہوندی جنایاں دی

لگ بھگ ایسے ہی الفاظ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے وقت ستمبر ۱۱۸۷ء میں اپنی فوجوں کو تقریر کے اختتام پر کہے تھے۔

جس کے پاس تلوار ہے وہی امن میں رہ سکتا ہے۔ جس کے بازو تلوار نہیں اُٹھا سکتے وہ کبھی عزت کی زندگی نہیں گذار سکتا۔ وہ غلام رہے گا اور غلامی میں ہی مرے گا اور لعنت ہے اُس پر جو آزادی کی موت پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دے۔

امریکہ اور اُس کے اتحادی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی وساطت سے اور ملک در ملک اپنے سفیر اور ڈھونڈ رچی بھیج کر اس بات کا ڈھونڈورا پٹواتے رہتے ہیں کہ افغانستان پر موجودہ اور سابقہ حملہ مسلمانوں کے خلاف کاروائی نہیں بلکہ یہ صرف دہشت گردی کے خلاف ایک عالمی پیمانے کی مہم ہے۔ اس میں بیشتر مسلم ممالک نے بھی امریکہ کی ہاں میں ہاں ملائی کیونکہ اُنہیں اپنی کُرسی مطلق العنانی یا شخصی راج سے پیار تھا مگر خدا پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ شاید ۳۱۳ کی اولاد میں سے نہیں تھے۔ ایک الگ تھلگ پڑے بے یار و مددگار ہوئے، بے وسیلہ نہتے لوگوں جن کا اثاثہ ایک رائفل، چند گولیاں، ایک کمبل اور اُس کے ایک کونے میں بند خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہوتا ہے۔ پھر بھی اُن کو خدا پر بھروسہ ہے اور بلاشبہ وہی ۳۱۳ کی اولاد میں سے ہیں وہ غازی صلاح الدین ایوبیؒ کے سچے جانشین ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دین اسلام دہشت گردی سے پاک چند سیدھے سادے اصولوں پر مبنی ایک ضابطہ حیات اور لائحہ عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم بھی نہ دہشت گرد ہیں اور نہ اُس کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر جنوبی ایشیا میں ہی وہ واحد ملک ہے جو حقیقی معنوں میں شریعت اور اسلامی قانون کی عمل آوری کے لیے عمل پیرا ہو رہا تھا مگر یہ بات بھلا یہود و نصاریٰ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ایک اور اسلامی ملک دنیا کے نقشے پر اُبھر آئے جب کہ صدیوں سے اُن کے مختلف ہتھکنڈے اسلام کے خلاف اس لیے روبہ عمل ہیں کہ اسلام کا اصلی چہرہ مسخ کر کے مسلمانوں کو ایک ایسے دین کا پیروکار بنایا جائے جو یہود و نصاریٰ کے عین منشا کے مطابق ہو۔ اس لیے موجودہ کاروائی بلاشبہ عالم اسلام کے خلاف ایک مربوط سکیم کے تحت اعلان جنگ ہے جس کو بغیر کسی تردّد کے آٹھویں صلیبی جنگ کا نام دے سکتے ہیں۔ مگر افسوس یہ صلیبی جنگ فقط چند لوگ ہی لڑ رہے ہیں اور پورا عالم اسلام تماشائی بنا بیٹھا ہے۔ مسلمان ممالک کی کمزوری کا خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر اسی لیے امریکہ عالمی پولیس مین بن کر تمام مسلمان ممالک کے اندرونی معاملات کے ساتھ ساتھ دین میں بھی مداخلت کرتا ہے اور بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ دھڑلے سے بغیر کسی خوف و تردّد و تنقید کے کرتا ہے۔ اُس کی پالیسیز پر تنقید یورپین میڈیا کرتا مگر چونکہ میڈیا خود زائد از اٹھانوے فیصد یہود کے قبضے میں ہے اس لیے کس کا یارا ہے کہ وہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دے۔

صلیبی جنگیں گرچہ ختم ہو چکیں تھیں مگر یورپ اُس پے در پے شکست کو نہیں بھولا تھا جو اُسے یروشلم کے دروازے پر ملی تھی حالانکہ اب یروشلم اُنہی کے قبضے میں ہے۔ دن گذرتے گئے اور پھر صدیاں بیت گئیں مغربی طاقتیں پھر حرکت میں آ گئیں۔ جنگ عظیم اول کے دوران انگریز دبے پاؤں مشرق وسطیٰ کی سیاست میں داخل ہو گیا اور اُس نے انتہائی قلیل مدت میں اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ یورپ کے سفید فام اپنا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صدیوں پُرانا بدلہ چکا رہے تھے۔ اسرائیل تخلیق کیا گیا۔ عربوں کو اپنے مکانات اور جائیداد سے بے دخل کر دیا گیا اور عربوں کی کمزوری کے باعث تمام اتحادیوں نے مل کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ آج اتحادیوں کا والد الزنا اسرائیل اپنا پرچم لہرا کر خوشی منا رہا ہے اور دوسرے چھوٹے بڑے مسلمان ملکوں پر دھاڑا جما رہا ہے مگر شاید اُسے معلوم نہیں کہ پھر کوئی صلاح الدین پیدا ہوگا کیونکہ ع

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہود و نصاریٰ کے پرچم خاک چاٹیں گے انشاء اللہ۔ اور عالمی دہشت گرد امریکہ کے دن بس اب گنے چُنے ہی رہ گئے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا یہ انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ کہتی ہے۔ یہ وقت اور وقت کی دھارا کہتی ہے۔ یہ صدائیں سمے کا گھڑیال دیتا ہے۔ دارا و سکندر، مسولینی و ہٹلر نے بھی کچھ ایسے ہی خواب دیکھے تھے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے۔ اسلاف کی کہانیاں میں نوجوان نسل کو اس لیے سناتا ہوں کہ وہ انشاء اللہ اپنی عمر عزیز کے دوران ہی دیکھیں گے کہ جب صرف ایک سونامی یو ایس اے کو پومپیائی شہر کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے گی کیونکہ اخلاقی طور پر بھی آج امریکہ انسانیت کے جامے سے باہر ہو گیا ہے اور بدکاری، بے حیائی، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، اغوا کاری اور قتل و غارت گری میں دنیا کا صف اول کا ملک بن چکا ہے۔ آج یہ اپنے نام یو ایس اے یعنی unabashed (بے حیا)، Scandleous (دل آزار بے راہ رو) اور Abusive (بدلگام) کی صحیح صحیح ترجمانی کر رہا ہے۔ ویسے بھی ہیروشیما اور ناگاساکی کی لاکھوں وولٹ تابکاری سے معصوم اور بے گناہ انسانوں کی جھلسی ہوئی روحیں آج بھی رب رحمان و رحیم کے انصاف کے دروازے کی طرف اپنی نظریں گاڑھے انصاف کا فیصلہ سننے کی منتظر ہیں۔ انصاف ہو کر رہے گا مگر اب یہ ہے کہ وہاں دیر ہے مگر اندھیر بالکل نہیں ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اول اللہ نام اُپایا

اول اللہ نام اُپایا قدرت دے سب بندے
اِک نُور تُوں سب جگ اُپجیا کون بھلے کون مندے
(بابا فریدؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اول اللہ نام اُپایا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بابا گورونانک جی نے ۱۴۴۹ء میں ننکانہ صاحب کے مقام پر مہتا کالو کھتری کے گھر جنم لیا۔ تقسیم ملک کے بعد سکھوں کا یہ مقدس مقام آج کل پاکستان میں ہے۔ اُس جگہ پر اُن کا بچپن اور جوانی کے ایام گذرے، اُسی جگہ پر اُن کو غور و فکر کا موقعہ ملا اور اُسی جگہ پر سکھوں کے چھ گوردوارے ہیں جو بابا نانک صاحب کے زندگی کے واقعات اور کرامات کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ باباجی بچپن سے ہی درویش صفت تھے اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ جب اُنہیں پڑھنے کے لیے ایک پاٹھ شالہ میں پنڈت جی کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے اپنے اُستاد سے مختلف سوالات پوچھنے شروع کئے جو بذات خود پنڈت جی کے فہم و ادراک سے بالاتر تھے۔ اُدھر سے کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر انہوں نے پاٹھ شالہ کو ہی چھوڑ دیا اور پنڈت کی پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا۔

بابا گورونانک کے زمانے میں عام لوگوں کی مذہبی سماجی اور مجلسی زندگی میں جو پستی آچکی تھی اُس سے باباجی بہت دُکھی تھے۔ اُس بات کی عکاسی گورو گرنتھ صاحب میں یوں ملتی ہے۔

"معاشرہ میں جھوٹ نے ایک مقام حاصل کرلیا ہے، مذہب ناپید ہوتا جارہا ہے۔ شرم و حیا اُٹھ چکی ہے۔ مذہبی راہنماؤں کو کوئی پوچھتا ہی نہیں اور ملک میں شیطان کا کام جاری و ساری ہے"۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کا بھی ایک مبہم تصور لوگوں کے ذہن میں رقصاں تھا۔ اسلام کی اصلی اور صحیح تعلیم بہت کم تھی کیونکہ اس ملک کے لوگ اسلام میں ابھی نئے نئے ہی داخل ہو گئے تھے۔ اُن پر ہندوانہ رنگ غالب تھا اور دونوں کے رسم و رواج میں کوئی فرق تھا ہی نہیں۔ وہ شرک و بدعت میں بُری طرح ملوث ہو چکے تھے کیونکہ سارا معاشرہ ہی دگرگوں تھا۔ حکمران عیش و عشرت میں مشغول اسلامی تعلیم سے دور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے اور باباجی ہندو مذہب سے دل برداشتہ اور متنفر ہو کر صحیح مذہب کی تلاش اور جستجو میں نہایت تندہی سے مشغول تھے۔ اسلامی تعلیم میں نورانیت اور روحانیت ہونے کے باوجود اُس میں لوگوں کے غلط اعتقادات، شرکیات، بدعات اور رسومات کی وجہ سے اُس میں نورانیت اور روحانیت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نورانیت کی تلاشِ حق کے لیے ایک تو وہ خود مستعد ہو چکے تھے دوسرے اُنہیں خدا کی طرف سے الہام بھی ہو گیا تھا:

حضرت مکے مدینے کی حج کر (جنم ساکھی ۱۲۶)

چنانچہ باباجی تحقیق حق کے لیے مکہ، مدینہ اور بغداد گئے۔ بغداد میں حضرت دانا پہلویؒ کے مرقد کے قریب باباجی کے آثار و احوال کا کتبہ آج بھی موجود ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ پس جو کچھ اُن کو وہاں جا کر تحقیق سے ثابت ہوا۔ اُس کا انہوں نے برملا اور بے دھڑک اظہار کیا۔ چونکہ تمام ارکانِ اسلام پر اُن کے فرمودات کا احاطہ اس چھوٹے سے مضمون میں ممکن نہیں ہو سکتا اس لیے اختصار کے ساتھ چند ایک باتوں کا ذکر کروں گا۔ تاکہ اختصار کے ساتھ ہی سہی کما حقہٗ گورو جی کی باتوں کی وضاحت ہو سکے۔ اسلامی توحید کے بارے میں فرماتے ہیں:

وحدہٗ لاشریک ہے قاضی مفتی آپ
آپ کھول کتاب نوں آپ کرے حساب
آپ بخش ملائیندا دے سزا آپ
ایکو ایک خدا ہے جس دامائی نہ باپ
(جنم ساکھی: ۱۴۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کا حساب و کتاب اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور وہ خود ہی مفتی بھی ہے اور قاضی بھی ہے۔ خود ہی سزا بھی دیتا ہے اور معاف بھی کرتا ہے۔ وہ بغیر مددگار کے وحدہٗ لاشریک خدا ہے۔ جس کا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کلمہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ کلمہ صدق دل سے پڑھنا چاہیے۔ زبانی کلمہ پڑھ کر اور جھوٹ موٹ کا اقرار کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور نہ ہی ایسے انسان کو حضور ﷺ کی شفاعت کی کوئی گنجائش ہے اور نہ سزا سے چھوٹنے کی کوئی سبیل ہے۔

منہ توں کلمہ آکھ کے دونی دروغ ملائے
آگے محمد مصطفیٰ سکے نہ تینہاں چھڑائے
(جنم ساکھی: ۱۵۳)

قرآن کریم کی صداقت کے سلسلے میں درویش جی فرماتے ہیں کہ قرآن ہی وہ سچی کتاب ہے جو ہمارے پاس خدا کی طرف سے تفویض ایک امانت ہے مگر افسوس امت خواہشات نفسانیہ میں پڑ کر اور قرآن کریم کے احکامات پر عمل نہ کر کے اپنے لیے حقیقی معنوں میں جہنم کما رہی ہے۔

رہی کتاب امانتی سچ کتاب قرآن
نفسے ماریاں اسی لگے دوزخ جان
(جنم ساکھی: ۱۴۸)

ختم المرسلین، امام الانبیاءؑ، آفتاب عالم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں فرماتے ہیں اس دنیا کے چاند خدا کے پیغمبر بن کر تشریف لائے جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے۔ وہ شانِ پیغمبری میں بے پرواہ ہیں یعنی اُن کی پیغمبری بے مثال اور بے نظیر ہے گویا وہ پیغمبری کے آخری اور انتہائی درجے پر ممتاز ہیں۔ فرماتے ہیں:

لے پیغمبری آیا اس دنیا کے ماہ
نام محمد مصطفیٰ ہو یا بے پرواہ
(جنم ساکھی: ۱۴۰)

خدا اور بندے کے درمیان سیڑھی کا کام کرنے والا افضل ذکر یعنی نماز جس کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عظمت باباجی پر منکشف ہو چکی تھی کے بارے میں اُن کا فرمانا ہے کہ نمازیں پانچ ہیں جن کے نام اور اوقات مقرر ہیں۔ اُن کا ارشاد گرامی ہے:

پنج نمازاں وقت پنجے
پنجے پنجا ناؤں

(گرو گرنتھ صاحب دار ماجھ شلوک، محلہ ۱۰)

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ہم عصر مغل بادشاہ ہمیشہ اُن کے ساتھ بے حد احترام وعقیدت کے ساتھ پیش آئے بلکہ جو جاگیریں باباجی کو اپنا تبلیغی مشن آگے بڑھانے میں اُن کی طرف سے ملیں اُن پر آج بھی گوردوارے بنے ہوئے ہیں جہاں لاکھوں سکھ مذہب کے ماننے والے ماتھا ٹیکنے آتے ہیں۔ چوتھے گورو رام داس تک سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے، کوئی بھید بھاؤ اور دشمنی نہیں تھی۔ مگر بعد میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان اختلافات اور غلط فہمیوں کی خلیج زیادہ سے زیادہ وسیع کردی جائے تاکہ اُن میں آپسی اتحاد ہونے نہ پائے۔ یہی وجہ ہے کہ دو سو سال میں سکھوں نے مسلمانوں کا کئی بار بھیانک قتل عام کیا جس کی کوئی وجہ یا جوازیت ہی نہیں تھی۔ مغلوں کے ساتھ اگر انہوں نے جنگیں لڑیں تو وہ خالص سیاسی نوعیت کی جنگیں تھیں اُن میں جہاد کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ وہ معرکے نہ سکھ مذہب یا سکھوں کے خلاف تھے اور نہ اسلام یا مسلمانوں کی موافقت میں تھے۔ وہ معرکے نہ جہاد تھے نہ اُن میں کوئی مذہبی استحصال یا منافرت والی بات تھی۔ وہ خالص سیاسی جنگیں تھیں جن میں ایک فریق مغل اور دوسرا فریق سکھ تھے۔ ویسے بھی مغلیہ فوج میں چالیس فیصد سے زیادہ مسلمانوں کا تناسب نہیں تھا۔ مغلیہ فوج کے اکثر اعلیٰ عہدہ دار کمانڈر، سپہ سالار راجپوت اور دیگر ہندو کوفات کے لوگ تھے فوج میں افغان، منگول اور نہ جانے کون کون لوگ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے اور اُن میں سے کچھ مسلمان تھے ہی نہیں۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں سکھوں نے اُن لڑائیوں کو ''دھرم یُدھ'' کا نام دے کر مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیچ میں ایک خلیج ڈال دی۔ وہ خلیج کبھی نہ پاٹی جاسکی اور نہ پائی جاسکتی ہے۔ اُسی بغض و نفرت کے احساس نے تقسیم ملک کے وقت وہ بھیانک روپ پیش کیا جس کو تاریخ کبھی بھُلا نہ پائے گی اور جس نے نفرت وعناد کی اُس خلیج کو اور بھی وسیع سے وسیع تر کر دیا۔

دیکھا جائے تو سکھ مذہب کوئی الگ مذہب تو ہے نہیں۔ البتہ اُسے اسلام کی ہی ایک صوفیانہ شاخ کہہ سکتے ہیں جب کہ ہندو ——— سکھ پنت کو ہندو دھرم کے ساتھ ہی وابستہ کر دیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سکھ مذہب میں ہندو دھرم کی کوئی وانی یا کوئی مذہبی ہدایت شامل نہیں ہے۔ پروفیسر گوردیال سنگھ عارف نے ابھی حال ہی میں شائع شدہ ایک مضمون ''شری گرنتھ صاحب میں پسماندہ جاتیوں کا کلام'' میں رقمطراز ہیں:

''گرو گرنتھ صاحب میں بانی کی شمولیت اور ترتیب آدم ذات کی اشتراکیت اور اتحاد کی علامت ہے۔ بنی نوع انسان کی شروعات ایک ہے۔ اُس کا ورثہ مشترکہ ہے اور پھر اُس کی بنا کو پہچاننا اور اُس کی طرف لوٹنا انسان کا مقصد بھی ہے اور مقدر بھی۔ اس کتاب مقدس میں نہ صرف اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس کی اہمیت کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ تمام جہاں کی تخلیق ایک نور سے ہوئی اور یہ اصل جب کبھی مخلوقات کو اپنی طرف کھینچے گا تو تمام ذی جسم اُس میں جذب ہو جائیں گے''۔

موصوف اپنے مضمون کے آخر میں فرماتے ہیں کہ گرو گرنتھ وہ مذہبی کتاب ہے جس میں ہندوستانی تہذیب و یگانگت اور آپسی بھائی چارے کی زندہ مثال موجود ہے کیونکہ اس میں جہاں مختلف رنگ و نسل اور مذہب کے گورو اور صوفی سنتوں کا کلام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شامل ہے وہی اُن کی تہذیب اور زبانیں بھی مختلف ہیں۔ اس گرنتھ کی مقبولیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں تمام متفرقات سے اوپر اٹھ کر ہندوستان کے مشترکہ کلچر اور تہذیب و تمدن کو اپناتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کو اُس مالکِ حقیقی کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو رب العالمین ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وقت کا دھارا

ملاح بھی ناؤ بھی ہے دل بھی ہے لیکن
بے کھٹکے ہمیں پار اُترنا تو آئے
(کالی داس گپتا رضا)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وقت کا دھارا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سن ۱۹۴۵ء میں نازی جرمنی کی شکست اور ہٹلر کی خودکشی کے ساتھ ہی جنگ عظیم دوم کا خاتمہ ہوگیا گرچہ اُس کے اثرات کافی دیر تک باقی رہے جوکہ جنگ کا خاصا ہوتا ہے۔ اُس کے بعد نیورمبرگ کی عدالت قائم ہوئی جس میں نازی جرمنی کے فوجی مجرموں کے مقدمات پیش ہوئے۔ اُن کو سزائیں ہوئیں، اُس دوران اور اُس کے بعد بھی ہٹلر پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور تقریباً ہر مصنف یا مولف نے ہٹلر کو انتہائی درجے کا رذیل، متکبر، فوجی عامر اور جنسی اعتبار سے کجروثابت کرنے کی کوشش میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ یہ تو مانی ہوئی حقیقت ہے کہ بُرے میں بھی کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہٹلر کی خوبیوں پر پردہ پڑا رہا اور اُس کی اچھی صفتوں سے دنیا بے خبر رہی۔ جنگ عظیم دوم پر اگر ہٹلر ایک عظیم فوجی غلطی کر کے روس پر حملہ نہ کرتا تو آج دنیا کی تاریخ اور نقشہ ہی مختلف ہوتا۔ فرانس، برطانیہ اور امریکہ جیسے سُپر پاور جرمنی کے دست نگر اور ماتحت ہوتے۔ اسرائیل کا وجود دنیا کے نقشے پر کہیں نہ ہوتا۔ عالمی دہشت گرد امریکہ، یہود کے ساتھ ساجھے داری کے ساتھ عالم اسلام کو مٹانے کے درپے ورلڈ پولیس بنا نہیں پھرتا اور یہود آبادی دنیا سے تقریباً تقریباً مفقود ہو چکی ہوتی کیونکہ نازی جرمنی کا وہ لیڈر دنیا کا واحد سفید فام لیڈر تھا جس نے یہود کو ''دنیا کے معاشرے کا ناسور'' کہا تھا۔ اُس کا کہنا تھا جوکہ دیگر شواہد سے ثابت ہو کر سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے کہ یہودی ''انسانیت کے دشمن'' ہیں۔ اس لیے اُن کو ساری دنیا سے ختم کر دینا چاہیے۔ اُس نے صرف جرمنی میں ہی لاکھوں یہودیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ یورپ کے جس ملک پر بھی نازی فوج نے دوران جنگ قبضہ کیا وہاں سے یہودی آبادی یا تو بھاگ گئی یا جرمن فوج نے اُن کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

سن ۱۹۷۰ء میں ہٹلر کے ذاتی فوٹو گرافر ہوگو جاگر نے ہٹلر سے متعلق ایک کتاب

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شائع کی جس میں اُس نے ہٹلر کی زندگی کے چند تاریک گوشوں سے پردے اٹھائے۔ اُس نے کتاب میں ایسی بے شمار تصاویر شائع کی جو تب تک دنیا کے سامنے نہیں آچکی تھیں۔ فوٹو گرافر نے تصاویر کو ایک آہنی صندوق میں بند کر کے اُن کو زمین میں دفن کر دیا تھا تاکہ اتحادی فوجیں اُن کو تلف نہ کر دیں۔ وہ تصاویر جنگ کے خاتمے کے بعد بھی دس سال سے زیادہ زمین دوز ہی رہیں۔ ہوگو جاگر چونکہ ہٹلر کے ساتھ تقریباً ہر وقت موجود رہتا تھا اس لیے وہ ہر اہم موقعے کی تصویر اُتارتا تھا۔

فوٹو گرافر کا کہنا ہے کہ ہٹلر اپنی ذاتی زندگی میں بڑا بذلہ سنج تھا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا۔ وہ عورتوں میں بہت دلچسپی لیتا تھا لیکن نہ وہ عیاش تھا اور نہ بدکردار۔ جرمنی کی ہزاروں خوبصورت عورتیں اُس پر عاشق تھیں۔ دنیا کی بے شمار مالدار اور خوبصورت عورتوں نے اُس کو خط لکھ کر اُس سے شادی کی خواہش ظاہر کی لیکن ہٹلر نے کبھی اُن خطوط پر توجہ نہیں دی۔ وہ کہتا تھا کہ اگر میں شادی کروں گا تو اپنی قوم کو اتنا وقت نہیں دے سکوں گا کیونکہ شادی کے بعد میری بیوی بھی میرے وقت کی حقدار ہو جائے گی۔ صرف ایک فوٹو گرافر عورت ایوا براؤن، ہٹلر کے بے حد قریب ہوئی جسے اُس کی معشوقہ بھی تصور کیا جاتا رہا۔ ایک مرتبہ اُس نے ہٹلر کو دھمکی دی تھی کہ اگر ہٹلر نے اُس کے ساتھ بے رخی برتی تو وہ خودکشی کرے گی۔ اُسی ایوا براؤن کے ساتھ ہٹلر نے اپنی موت سے قبل چوبیس گھنٹے شادی کر لی۔ شاید زندگی میں اُس کے ساتھ وعدہ کر لیا ہوگا اور اپنا وعدہ ایفا کرنے کے بعد دونوں نے خودکشی کر لی۔

ہٹلر کو برہنہ عورتوں کی تصاویر اور لاغر بدن کمزور عورتیں سخت ناپسند تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ عورتوں کا خوبصورت ہونا ضروری نہیں بلکہ عورتوں کا قد لمبا اور بدن مضبوط ہونا چاہیے تاکہ وہ مضبوط اور تندرست بچہ پیدا کر سکیں۔ اُس کے کردار کی بنیادی صفت یہ تھی کہ وہ دوستوں کا دوست تھا۔ اُس نے دوستوں کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قریبی دوستوں اور ساتھیوں نے اُس کے زوال کے دوران اور اُس کے خاتمے کے بعد مرنا پسند کیا۔ اسیری پسند کی لیکن ہٹلر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرنا پسند نہیں کیا۔

ہٹلر جذبہ وطنیت سے اتنا سرشار ہو چکا تھا کہ وہ جرمنی کی برتری کے علاوہ کچھ اور سوچتا ہی نہیں تھا۔ اُس کے ذہن میں صرف جرمن قوم اور قوم کا مستقبل تھا۔ گرچہ جنگ میں فوجی غلطی کے سبب جرمن قوم تباہ ہوئی۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے دورِ حکومت میں جرمنی نے بے پناہ ترقی کی۔ اُس نے جرمن قوم کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ صرف ایک لیڈر ہی نہیں، ایک بے مثال منتظم، نامور مصنف اور ایک زبردست مقرر بھی تھا۔ اُس کے جلسے کا اعلان ہوتے ہی لاکھوں لوگ جلسہ گاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ ہٹلر کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے اُس کا قوم پرست ہونا ہی کافی ہے۔ وہ اپنے وطن کا وفادار، عورتوں کے ناموس کا نقیب اور سب سے بڑھ کر یہود کا جانی دشمن تھا۔ اگرچہ یہ ایک الگ بحث ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ جرمنی کی تباہی میں یہود کا ہاتھ سو فیصد تھا۔

موجودہ وقتوں میں بھی اگرچہ وہ مسلمانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے اور کئی جگہ پر مسلمانوں کے قتل عام بشمول مصر کے اخوان المسلمین کے، جہاں پر بھی مسلمان مارے جاتے ہیں اُس میں بلاشک یہود کی کارستانی ہے۔ فلسطین، افغانستان، عراق، سومالیہ، لبنان، فلپائن، شام، مصر وغیرہ اُسی کی مسلم دشمن کے آئینے ہیں۔ اور اہانت آمیز کارٹون بنا کر عالم اسلام کے جذبات مجروح کرنا، پردے، برقعے، سکارف جیسے ستر خواتین پر مختلف ممالک میں قدغن لگوانا، مساجد کی تعمیر کو روکنا، اسلامی مدارس کو بیخ و بُن سے اُکھاڑنا اُسی شیطان صفت ننگِ انسانیت کا کام ہے۔

چونکہ یہود نے عام طور پر معیشت اور خاص طور پر بین الاقوامی میڈیا پر قبضہ کر رکھا ہے اس لیے وہ بڑی آسانی کے ساتھ کوئی بھی چھوٹی بڑی دہشت گردانہ کاروائی کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مسلمان کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے اور بڑے شاطرانہ انداز سے اپنا پہلو بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہٹلر کی سابقہ نازی تحریک دوبارہ جنم لے کر جرمنی حتیٰ کہ امریکہ میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انصاف کا دھارا انسانیت کے دشمنوں یعنی رائندہ درگاہ یہود کو کہاں بہا کر لے جاتا ہے۔ دیر سے ہی سہی مگر وقت کا قاضی اپنا فیصلہ بہر حال سنا کر ہی رہتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب ع

یہودؔ کی داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹائی ٹان

دستِ قدرت سے ملا ہے مجھ کو شاہانہ مزاج
میں کسی مفلس کے گھر میں پیدا ہوا تو کیا ہوا
(محمد شفیع سیتاپوری)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹائی ٹان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دنیا میں حیرت انگیز واقعات آئے دن وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں کیونکہ نہ صرف دنیا کا وجود بلکہ حیات انسانی بھی بذات خود حیرت انگیز اور اپنی نوعیت کا ایک عجوبہ روزگار واقعہ ہے۔ سن ۱۹۹۰ء کے دوسرے آدھے دہے کے آس پاس ٹائی ٹانک سمندری جہاز اور اُس پر بنی شہرۂ آفاق فلم محفلوں میں موضوع بحث رہی۔ آج اُسی جہاز سے متعلق ایک ایسی بات قارئین کی دلچسپی کے لیے بتانے جا رہا ہوں جو خال خال ہی کسی کو معلوم ہوگی کیونکہ یہ دنیا کا اصول ہے کہ نیا ——— نیا جنم لیتا ہے اور پُرانا طاقِ نسیاں کی نذر ہو کر ذہنوں سے اُتر جاتا ہے۔

مورگن رابرٹس نیویارک کے ویسٹ اینڈ علاقے میں دو کمروں والے ایک فلیٹ میں دس سال تک مقیم رہا۔ وہ دو وقت کے کھانے اور فلیٹ کا کرایہ ادا کرنے کے لیے کہانیاں لکھ کر کوئی ادنیٰ حیثیت کا میگزین یا کوئی چھوٹا موٹا پبلشر تلاش کر لیتا جس سے اُس کی روزی روٹی چلتی تھی۔ اُس نے کبھی دولت یا شہرت کے لیے نہیں لکھا اور نہ ادب میں کوئی اونچا مقام حاصل کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی ایسی کوئی صورت اُس کے پیش نظر تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اُس کا کوئی چانس بھی نہ تھا تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اُسے اچانک غیر معمولی شہرت حاصل ہوگئی۔

سن ۱۸۹۸ء میں مورگن نے ایک رات ایک بھیانک خواب دیکھا۔ خواب اتنا بھیانک تھا کہ وہ نیند سے ہڑبڑا کر جاگا اور پھر باقی رات اُسے نیند نہیں آئی۔ عادت کے مطابق اُس نے اگلی صبح کو اُس بھیانک خواب کے اندراجات اپنی ڈائری میں کر لئے۔ پھر ایسا ہوا کہ وہ دیگر مصروفیات اور فکر معاش میں اُس خواب کو بھول گیا۔ اُس واقعہ کے لگ بھگ ایک سال کے بعد مورگن رابرٹسن خواب کو تقریباً فراموش کر چکا تھا کہ اتفاقاً ایک دن اُس کی نظر اپنی ڈائری کے اُن اوراق پر پڑی جن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اُس نے تفصیل کے ساتھ اپنے خواب کے جزئیات قلم بند کئے تھے۔ چنانچہ یاداشت اور اپنی ادبی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اُس نے ایک ایڈونچر ٹائپ ناول لکھا جو دو ماہ کی سخت محنت و کاوش کے بعد منصۂ شہود پر آیا۔ ناول کا نام اُس نے فیوٹی لِٹی (futility) رکھا اور ایک معمولی رقم یعنی صرف سو ڈالر میں ایک پبلشر کے ہاتھ فروخت کیا۔ ناول چھپ کر خوب بکا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مصنف، قارئین اور پبلشر سب ناول کو بھول گئے۔ کال کے دھند لکے باقی ادب پاروں کی طرح اس کتاب پر بھی اپنی سیاہ چادر پھیلا گئے اور بات آئی گئی ہوگئی۔

سن ۱۹۱۲ء میں ٹائی ٹانک (Titanic) نامی جہاز بنا کر سمندر میں اتارا گیا تا کہ سفر پر روانہ ہو سکے۔ جہاز کی لمبائی آٹھ سو فٹ اور وزن ساٹھ ہزار ٹن تھا۔ جہاز پر دیگر عملے کے علاوہ دو ہزار اکیس مسافر سوار تھے۔ جن میں بیشتر مسافر امیر کبیر تھے۔ جہاز میں ذاتی قیمتی سامان کے علاوہ ایک خزانہ، نادر و نایاب تصاویر اور دیگر بے بہا اشیاء کا کوئی شمار و حساب نہیں تھا۔ چار بڑی بڑی چمنیوں والا یہ کوہ پیکر آبی جہاز ایک پہاڑ جیسا لگتا تھا۔ رابرٹ سن نے جب یہ خبر اخبار میں پڑی اور اطلاعات و کوائف جان لیے تو اُس جہاز میں اور اپنے خواب میں دیکھے جہاز میں ہو بہو مشابہت پا کر وہ خاصا حیران ہی نہیں بلکہ پریشان ہو اُٹھا۔ اُسے یقین ہوگیا کہ یہ جہاز ضرور حادثے کا شکار ہو جائے گا۔ اُس نے سوچا اس بارے میں حکام کو مطلع کر دینا چاہیے لیکن اپنی کم مائیگی اور مفلوک الحالی کے پیش نظر اُسے معلوم تھا کہ اُس کی بیان کردہ کہانی تو محض وہم و گمان یا فکشن سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے گا اور چودہ سال قبل دیکھے گئے خواب اور شائع شدہ ناول کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اُس سلسلہ میں کوئی اقدام کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ہر شخص کو جہاز کی مضبوطی اور اعلیٰ کارکردگی پر پورا بھروسہ تھا مگر رابرٹ سن ہی دنیا میں ایک واحد شخص تھا جس کے دل میں ٹائی ٹانک کے لیے اندیشہ تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حیرانگی کی بات یہ نہیں جو مذکور ہو چکی ہے بلکہ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ مورگن کے ناول کے حرف بہ حرف ٹائی ٹانک جہاز کے ساتھ اُس کا عملہ، مسافروں کی تعداد، لمبائی، وزن، حلیہ، رنگ وروپ اور ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی مشابہت رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ مورگن نے لکھا تھا کہ جہاز پر لائف بوٹ کم رکھے گئے ہیں اور ایسا ہی ٹائی ٹانک کے ساتھ بھی تھا۔ ایک معمولی سا فرق جہاز کے نام میں تھا۔ مورگن نے اپنے ناول میں جہاز کا نام ٹائی ٹان رکھا تھا جو ہو سکتا ہے کہ خواب میں واقعات کی بھیانک نمائش کے خوف سے تھوڑا سا بدل گیا ہو۔ اور پھر عین غین کی صورت میں ٹائی ٹانک جہاز کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا جو ناول میں درج تھا۔ دونوں جہازوں میں رقص وموسیقی کے ساتھ ہمہ وقت شغل کیا جاتا تھا۔ جہاز پر روسا کی تعداد زیادہ تھی۔ خزانے کے طور پر رباعیات عمر خیام کی ایک نادر اور بیش قیمت جلد تھی۔ دونوں جہازوں کو اپریل مہینے میں سمندر میں اتارا گیا تھا اور دونوں برف کے ایک عظیم تودے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔

مورگن کا خواب حقیقت میں کیونکر اور کیسے متبدل ہو گیا، آج تک کوئی نہ جان سکا، اور نہ آگے کوئی جان سکے گا اور اگر یہ اتفاق تھا تو واقعیٔ حیرت انگیز اتفاق تھا۔ عقل انسانی ہمیشہ ماورائی واقعات وحادثات وانکشافات کے فہم سے قاصر تھی، قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔ اس واقعہ پر سن ۱۹۹۵ء کے آس پاس انگریزی زبان میں ایک خوبصورت فلم بنائی گئی جس نے بزنس یعنی باکس آفس اور آسکر ایوارڈ پانے میں تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دیئے۔ فلم اس خوبصورتی سے شُوٹ کی گئی تھی کہ دیکھنے کے دوران ناظر پر ایک سحر ساطاری ہو جاتا تھا جو اختتام تک برابر جاری رہتا تھا۔ فلم کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پندرہ سولہ سال گذرنے کے باوجود آج بھی دنیا کی مختلف ٹی وی چینلوں سے اُس کی نمائش جاری ہے اور ناظرین کی دلچسپی میں بھی کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نور کی بے قدری

سوال یہ نہیں کیوں نور کی ہے بے قدری
سوال یہ ہے کہ ہے معتبر اندھیرا کیوں
(نورُالزماں صدیقی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نور کی بے قدری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سابق صدر ہند مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا کہ ٹیپو سلطان بھارت کا وہ سپاہی تھا جس کی قدر اُس کے ہم وطنوں نے نہیں کی۔ اُسی شہر میسور کے ایک بیٹے کی لڑکی کو حضرت والا کے دو وفادار سپاہیوں نے انگریزوں کے ہاتھوں سے قتل ہونے سے بچایا تھا جب فرنگی سفاکوں نے میسور کے محل پر قبضہ کر کے خانوادہ ٹیپو کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ساری شاہی وراثت لوٹ لی تھی۔ خاندان ٹیپو کی اُس واحد نشانی کو بعد میں میسور کے ایک مشہور سنگیت کار مولا بخش کے ساتھ نکاح کر دیا گیا۔ مولا بخش کی ایک بیٹی خدیجہ بی بی ہوئی جس کا نکاح میسور میں ہی رحمت خان کے ساتھ ہوا۔ رحمت خان اور خدیجہ بی بی کے بڑے بیٹے کا نام عنایت خان تھا۔ وہ ہندوستان سے باہر رہتا تھا۔ جن دنوں وہ امریکہ میں تھا تو اُس دوران اُس کی ملاقات ایک فرانسیسی دوشیزہ مس بیکر سے ہوئی۔ ملاقات جلد ہی محبت میں تبدیل ہوگئی اور اس طرح سے دونوں کی شادی فرانس میں ہی ہوگئی۔ بیکر نے اپنے شوہر سے کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ اُس کے برعکس اُس نے اپنے شوہر کی تابعداری اور فرمانبرداری کو اولین ترجیح دی۔

یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو بیکر کے بطن سے ایک خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام میرزادی نور النساء عنایت خان رکھا گیا۔ نور کی ابتدائی تعلیم و تربیت فرانس میں ہوئی۔ وہ گورے رنگ کی ایک بے حد خوبصورت لڑکی تھی اور انگریزی، فرانسیسی اور اُردو زبان روانی کے ساتھ بولتی تھی اور اُسی روانی کے ساتھ لکھتی بھی تھی۔ عنایت خان ۱۹۲۶ء میں اپنی فیملی کے ساتھ واپس ہندوستان لوٹا مگر یہاں آ کر زیادہ دیر تک وہ زندہ نہ رہ سکا اور ۵ فروری سن ۱۹۲۷ء کو اُس کا انتقال دہلی میں ہوا۔ باپ کے مرنے کے بعد گھر کی ساری ذمہ داری نور النساء پر آ گئی کیونکہ اُس کی ماں پردہ کرتی تھی اور بڑے بھائی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ولایت خان نوکری کے سلسلہ میں ملک سے باہر ہی رہتے تھے۔ اس لیے گھر کی دیکھ بھال سامان، سودا سلف کی فراہمی اور مہمانوں کی خاطر تواضع اُسے ہی کرنی پڑتی تھی۔ اس دوران نور اپنی تعلیم بھی پوری کرتی رہی اور ساتھ ساتھ اپنے ملک کی تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کرتی رہی۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہونے پر نور اور اُس کے بڑے بھائی ولایت خان نے رائل ایئر فورس کی ملازمت اختیار کی۔ انٹرویو کے وقت فوجی افسروں نے نور میں وہ ساری خوبیاں پائی جو ایک جاسوس عورت کے لیے ضرورت ہوتی ہیں۔ اُسے ریڈیو آپریٹر کی ٹریننگ کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ پھر اُسے ہر طرح کی فوجی ٹریننگ دینے کے بعد کچھ عرصہ تک ریڈیو آپریٹر کا کام سپرد کیا گیا۔ وہ کام اُس نے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا، اس لیے اُس کے ہائی کمانڈ کے افسروں نے اُسے جون ۱۹۴۳ء میں جنگی جاسوسی کے لیے منتخب کیا۔ اُسے جلد ہی فرانس کی سرزمین پر پیراشوٹ کے ذریعے اتارا گیا جہاں پہلے ہی جرمنی نے قبضہ کرلیا تھا اور وہاں پر اُسے کیا کرنا تھا وہ اُسے اچھی طرح سے ذہن نشین کرایا گیا تھا۔

جاسوسی کا کام جتنا ایڈونچرس اور رومانٹک ہوتا ہے اتنا ہی خطرناک بھی ہوتا ہے۔ پکڑے جانے پر جاسوس کی سزا موت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتی اور نور یہ سب کچھ اچھی طرح سے جانتی تھی۔ نور نے یہ جوکھوں کا کام اس لیے اپنایا تھا کہ اُسے انگریزوں یا اتحادیوں کے ہارنے یا جیتنے کے ساتھ کوئی غرض نہیں تھی بلکہ اُسے اپنے ملک کی جنگ آزادی کے ساتھ دلچسپی تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ ہٹلر کی شکست ہو جانے کے بعد اُس کا ملک جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، آزاد ہو جائے گا۔ انگریز جنگ ختم ہونے پر ہندوستان کو آزاد کرانے کا اشارہ بھی دے چکے تھے۔ اس اطمینان اور جذبے کے تحت اُس نے اپنی جان جوکھم میں ڈال دی۔

برطانیہ سراغ رساں محکمے میں نور کا کوڈ نام مینڈلین اور فرانس میں جین میری تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فرانس کی سرزمین پر جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا اور فرانس کو دوبارہ آزاد کرانے میں اتحادی فوجیں جان کی بازی لگائے ہوئے تھیں۔ پیرس کا زیادہ تر حصہ جرمنوں کے قبضے میں چلا گیا تھا اور جرمنی کی خفیہ پولیس گسٹاپو قدم قدم پر اپنا جال بچھائے ہوئے تھی۔ وہ خونخوار کتوں کی طرح بو سونگھتی پھر رہی تھی۔ برطانیہ کے کئی جاسوس وائیرلیس سیٹوں کے ساتھ گرفتار کئے جا چکے تھے۔ اُن حالات میں نور کے لیے کام کرنا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ وہ کبھی ایک جگہ تو کبھی دوسری جگہ، کبھی ایک شہر تو دوسرے گاؤں سے پیغام نشر کرتی رہتی۔ اسی دوران برطانیہ کا ایک جاسوس پکڑا گیا جس نے زیر چوب سارے جاسوسوں کے نام اور پتے بتا دیئے جن میں نور کا نام بھی شامل تھا۔ گسٹاپو نور کی تلاش میں گھوم رہے تھے اور جو ایک محفوظ مقام پر ایک عورت کے ساتھ رہ رہی تھی۔ مگر یہ انتظام زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ اُس عورت نے پیسے کے لالچ میں آ کر مخبری کی اور نور پکڑی گئی اور برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کو ایک بڑا دھچکہ لگا۔

میڈلین عرف جین میری یا نور النساء گرفتار کر لی گئی اور اُس پر جرمن گسٹاپو نے طرح طرح کی سختیاں کیں کہ وہ اپنے کام اور ساتھیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرے لیکن اُسے اپنی جان سے زیادہ وہ مقصد پیارا تھا جس کے لیے وہ فرانس آ گئی تھی۔ ویسے بھی تو ایک جنگی جاسوس کے لیے آسانیاں تو ہوتی نہیں اُسے قید میں رکھا گیا جہاں سے اُس نے دو بار بھاگنے کی کوشش کی مگر کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکی۔ وہ پھر پکڑی گئی۔ آخر اُسے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال کر جرمنی بھیج دیا گیا۔ وہاں نازیوں نے اُسے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۴ء کو بدنام ترین جنگی قیدی کیمپ جہاں انتہائی وحشیانہ اور ظالمانہ سلوک قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا، میں بھیج دیا گیا۔ یہاں اُس کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کیا گیا جس سے اُس کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ موت کی آرزو کرنے لگی۔ اور پھر آخر کار ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۴ء کی شام کو اُسے گولی سے اُڑا دیا گیا۔ اس طرح سے ٹیپو سلطان کے خون کا یہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نازک قطرہ بھی جدو جہد آزادی کی جنگ لڑتے لڑتے اور ظلم و جبر کا مقابلہ کرتے ہوئے اُن لاکھوں مسلمانوں کی طرح تاریکیوں میں کھو گیا۔ جن کا نام بھی آج کوئی زبان پر نہیں لاتا، یہاں تک کہ متعصب جماعتیں سرے سے ہی مسلمانوں کے جنگ آزادی کا یوگ دان سے انکار کرتی ہیں۔

فرانس میں اپنی سرفروشانہ فرائض کی انجام دہی کے دوران نور النساء نے برٹش سرکار کو اتنی بیش بہا معلومات بہم پہنچائی تھیں کہ جس کے اعتراف میں ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو فرانس کے سربراہ جنرل ڈیگال نے نور النساء عنایت خان کو مرنے کے بعد بہادری کا میڈل اور خطاب دیا۔ چونکہ معاملہ ایک مسلمان لڑکی کا تھا اس لیے شیطان ابیض نے اس بات کو اور نور کے کام کو کوئی اہمیت نہیں دی اور معاملے کو گول کر دیا مگر بعد میں شاید کسی مصلحت کی بنا پر ۱۵/اپریل ۱۹۴۶ء کو برٹش سرکار نے بھی اُسے بعد از مرگ خطاب دیا۔

آج ہندوستان کو شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان یاد نہیں اور نہ اُس کی جنگ آزادی کی لڑائی، اُس میں دی گئی بیش بہا قربانیاں اور سب سے بڑھ کر اُس کی شہادت کا کہیں ذکر ہے تو اُس کی پوتی، ایک اور گمنام شہید کو بھلا کوئی کیوں یاد رکھے گا۔ اُس کا ذکر کرے گا اُس کے بارے میں تحسین و آفرین کے دو بول دہرائے گا۔ آج سکہ اُن کا چلتا ہے جنہوں نے جنگِ آزادی کے دوران ہندوستانی کرانتی کاریوں کی مخبری کی تھی اور مجاہدین آزادی کو پکڑوایا تھا۔

سوال یہ نہیں کیوں نورؔ کی ہے بے قدری
سوال یہ ہے کہ ہے معتبر اندھیرا کیوں

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تعزیرات کے ڈنڈے

پتھروں کے شہر میں اے زندگی تیرے لیے
میری اِک اِک سانس نے کیا کیا نہ سمجھوتے کئے
(یوگندر بہل تشنہ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تعزیرات کے ڈنڈے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زیادہ عرصہ نہیں گزرا، چند برس اُدھر کی بات ہے کہ اپنے پیارے وطن مالوف کے ایک پیارے سے قصبے میں ایک پیاری سی کنواری لڑکی کے پیٹ میں یا بہ الفاظ دیگر بچہ دانی میں ڈاکٹروں نے ایک ماس کے لوتھڑے کا انکشاف کیا اور یہ انکشاف بم پھٹنے کے مترادف تھا۔ بذات خود لڑکی کو حیران ہونا تھا۔ ڈاکٹر، گھر والے، رشتہ دار، عزیز و اقارب سب پریشان ہو گئے جب کہ کچھ لوگوں کے من میں لڑکی کے چرتر سے متعلق شکاہ بھی جاگی مگر درحقیت لڑکی بڑی پارسا اور نیک بلکہ پاکدامن تھی۔ پنجابی زبان میں کہتے ہیں ''نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں'' محلہ داروں، پاس پڑوس اور یونہی بات کا بتنگڑ بنانے والے گپ بازوں کے ہاتھ ایک اُچھوتا موضوع لگ گیا ''جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے'' کی طرح جو جدھر جاتا، جو جہاں مجلس سجاتا یا محفل گرماتا، موضوع سخن وہی پارسا معصوم بچی ہوتی یا اُس کا کردار زیر بحث رہتا۔ بہر حال اللہ رب العزت کو بے قصور و معصوم پر ترس آیا اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ فارن رٹرن ڈاکٹر نے لڑکی کا ملاحظہ کرنے کے بعد رپورٹ دی کہ لڑکی میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں ہے بلکہ ایسا ممکن ہونا اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آس پاس کتوں کی بھرمار ہو یعنی آوارہ کتوں کی آبادی حد سے زیادہ بڑھنے لگے یا بڑھ جائے۔ ایسی بیماریاں اور دوسری طرح کی اور بیماریاں محض آوارہ کتوں کی کثرت کی وجہ سے ہی ظہور پذیر بلکہ لاحق بھی ہو سکتی ہیں۔ دیہاتوں کا مجھے علم نہیں مگر شہر میں اُنہی دنوں میں بیشتر عورتوں اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کو یہ عارضہ لاحق ہو گیا اور اُن کے جسم کے مختلف حصوں پر خصوصی طور پر سینے کے آس پاس گٹھیاں (آنچہ) نمودار ہوتی جو آپریشن کے ذریعے نکال دی جاتیں۔ سُننے، پڑھنے سے ہٹ کر مجھے چار ایسی لڑکیوں کا ذاتی طور علم ہے جن کا میرے دیکھتے دیکھتے معالجہ اور آپریشن ہو کر اُن سِدّوں سے چھٹکارا دلایا گیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ماہرین نے اس وبا کا کارن اور کچھ نہیں صرف کتوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بتایا۔ اب تو خیر سے بیلٹ فورس کے بینکروں کے آس پاس آوارہ کتوں کے پرے کے پرے یا تو استراحت فرماتے ہوتے ہیں یا بھونکتے رہتے ہیں یا سپاہیوں کی طرح لوگوں کو گھورتے رہتے ہیں۔

بیسویں صدی میں سائنس نے کتوں سے متعلق دو خاص انکشافات کئے ہیں۔ ایک یہ کہ کُتے کو جسم میں پیدائش یا فطری طور پر پاگل پن کے جراثیم موجود ہوتے ہیں جو کبھی حد سے تجاوز کر کے یا کسی اعصابی خلل کی وجہ سے بڑھ چکنے پر کُتے کو بالکل پاگل بنا دیتے ہیں اور پھر وہ انسانوں کی ایذا رسانی کا سبب بن جاتے ہیں۔ کاٹے جانے پر بروقت ٹیکوں کی مقررہ مقدار یا موجودہ وقت میں ایک واحد مگر مہنگا ٹیکہ نہ لگایا جائے تو ایسے کُتے کا کاٹا ہوا شخص مر بھی سکتا ہے۔ جموں میں ذاتی طور پر میں ایک ایسے ہی اٹھارہ سالہ نوجوان کو تڑپتے، چیختے، چلاتے پاگلوں جیسی حرکتیں کرتے اور بعد میں مرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ دوسرا انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ کتوں کے اجسام سے کچھ ایسے جراثیم خارج ہو جاتے ہیں جو ایک انسان کے لیے اینتھرکس کی طرح تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے جس کا ذکر آگے ہی آچکا ہے۔

یہاں یہ بات بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک بار دربار نبوی ﷺ سے حکم نافذ ہوا کہ ریوڑ کی رکھوالی کرنے والے اور شکاری کا ہاتھ بٹانے والے کتوں کو چھوڑ کر باقی تمام آوارہ کتوں کو نیست و نابود کیا جائے۔ دُرفشانی رسول اللہ ﷺ کے آگے سوال کرنے کی کسے جُرأت و طاقت ہو سکتی تھی۔ اصحاب رسول ﷺ نے ڈنڈے اٹھائے اور کتوں کا صفایا کر دیا۔ سائنس نے زائد از چودہ سو برس کے بعد کہا کہ زیادہ کُتے انسانی آبادی کے لیے ضرر رساں ہو سکتے ہیں جب کہ یہ بات خیر البشر ﷺ نے صدیوں پہلے فرمائی تھی۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمیں اپنی انمول

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وراثت پر نظر ہی نہیں ہے۔ ہم یورپ کی تقلید میں اب گھروں میں بھی کتے پالنے لگے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ارشاد عالی ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے اُس گھر میں رحمت کے فرشتے تشریف نہیں لاتے۔ اسلامی تعلیمات سرے سے ہی کتوں کے رکھنے یا پالنے کی مناہی کرتی ہے۔

آج کل آئے دن اخباروں میں کتوں سے نجات دلانے کی اپیلیں سرکاری بلدیہ سے کی جاتی ہیں۔ ایسی عرضداشتیں تنظیموں کی طرف سے محلہ کمیٹیوں کی طرف سے اور انفرادی طور پر بھی کی جاتی ہیں۔ مگر سننے والا کوئی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے بلکہ یقینی طور سے متعلقہ محکمہ اس کام کے لیے ہر سال بلکہ سال میں دو بار رقم واگذار کرتا بھی ہو مگر صورت حال یہ ہے کہ لوگوں میں حرام کی کمائی کا چسکہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ وہ کتوں کو دیا جانے والا زہر بھی بازار میں جا کر بلیک میں بیچتے ہوں گے اور ملنے والے پیسے کی بندر بانٹ کی جاتی ہوگی۔ وہ کتوں کو کیا ماریں گے۔ وہ کتوں کو بھی چٹ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ شہر و دیہات کے کسی محلے میں صبح شام، رات کو کسی کام کے سلسلے میں کہیں جانے، غمی خوشی کی کسی محفل میں شرکت کرنے یا مسجد کو جانے سے خوف آتا ہے مگر مجبوریاں ہوتی ہیں، عبور و مرور سے مفر ہو نہیں سکتا، طوعاً و کرہاً نکلنا ہی پڑتا ہے مگر کتوں کی بھر مار سے ہمیشہ تشویش لگی رہتی ہے۔ کپڑوں کی تو خیر کوئی بات نہیں نہ جانے ماس کے کتنے لوتھڑے قربان کرنا پڑیں گے اور کتنے نوکیلے زہر آلود دانتوں سے نبرد آزمائی کرنا پڑے گی۔ بڑی بے بسی اور لاچاری ہے کیا کریں، یقین مانیے کُتے کی ایک بھُوں سے ہی بڑے بڑے حوصلہ مندوں کی سٹی گم ہو جاتی ہے۔

سُنا ہے ڈوگرہ راجے اپنے شاسن کال میں کتوں کو سال میں دو بار بلدیہ کے ذریعے زہر کھلا کر مرواتے تھے اور دیا جانے والا زہر بالکل صاف اور پیور (Pure) ہوا کرتا تھا۔ آج کل زہر بھی نقلی ادویات کی طرح نقلی آنے لگا ہے کیونکہ خودکشی کی کئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ وہ ویسے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مہاراجے ایک سُنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر (انجانے میں غیر ارادی طور پر ہی سہی) کتنے بڑے وِشال راج پاٹ کے حکمران ہوا کرتے تھے۔ اُن کا راج پٹھانکوٹ سے درہ خیبر تک اور کوہ مری سے پاڈر تک پھیلا ہوا تھا مگر ——— مگر کشمیری مسلمان کا راج کہاں تک ہے۔ واللہ! آپ کا اپنے گھر پر بھی راج نہیں ہے۔ کوئی بھی غیر افسپا کے کالے قانون کے تحت دن اور رات میں کسی وقت گھر کا دروازہ نہ کھولنے پر وہ دروازہ توڑ سکتا ہے۔ آپ کے سامان ٹرنکوں، الماریوں، راشن کے بنوں حتیٰ کہ آپ کے جیبوں کی بھی تلاشی لے سکتا ہے۔ آپ کو گھر سے باہر نکال کر گھر میں من چاہی کاروائی کر سکتا ہے۔ لڑکا، لڑکی یا کسی بھی فرد کا اغوا کر سکتا ہے آپ کا اثاثہ کوئی بھی من چاہی چیز لے جا سکتا ہے۔ کسی گھر کے مکین پر فرد جرم عائد کر سکتا ہے اُسے ملی ٹینٹ بنا سکتا ہے۔ اگر وادی گوشت کر سکتا ہے کیا آپ اُسے ٹوک سکتے ہیں، کیا آپ اُسے روک سکتے ہیں؟ کیا آپ اُس سے شہری حقوق کی پامالی اور انسانی حقوق کو روندنے کا سبب دریافت کر سکتے ہیں۔ آپ ایسے دراندازکے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں، منتیں کرتے ہیں، پاؤں پڑتے ہیں۔ کیا وہ آپ کی عاجزی کو مانتا ہے آپ کی گذارشات کو قابل اعتنا سمجھتا ہے ——— نہیں نا؟ تو پھر کیا ہے۔ جانے دیجئے۔ بھگتیے یہ تعزیرات کے ڈنڈے کبھی گرم گرم اور کبھی ٹھنڈے۔ پلوامہ کے غلام محمد میر نامی شہری کو اپنی کینسر زدہ بیوی کی سرینگر سے تھیراپی کرا کے لوٹ آنے پر گولیوں کی بوچھاڑ کا تحفہ ملا۔ ایسے ہوتے ہیں تعزیرات کے ڈنڈے۔ ہماری زندگی اتنی کٹھن اور پُر ہول ہو جائے گی سوچا بھی نہ تھا۔ بہر حال کیا کیا جا سکتا ہے۔ بقول یوگندر بہل تشنہ ؎

پتھروں کے شہر میں اے زندگی تیرے لیے
میری اک اک سانس نے کیا کیا نہ سمجھوتے کیے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عید کے تحفے

گھروں سے تادرِ زنداں وہاں سے مقتل تک
ہر امتحان سے تیرے جاں نثار گذرے ہیں
(حفیظ میرٹھی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عید کے تحفے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اسلام نے مسلمانوں کو دو دن خوشی منانے، اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اچھا خرچنے کے لیے مرحمت فرمائے ہیں جن کو عیدین کہتے ہیں۔ عیدین میں سے پہلی عید کو عید الفطر یا چھوٹی عید کہتے ہیں۔ جب کہ دوسری کو عید الضحیٰ بقر عید یا بڑی عید کے نام سے پکارتے ہیں۔ بڑی عید کا دوسرا دن پہلے دن کی نسبت زیادہ مسرور کُن مشغول و مصروف اور ہنگامہ خیز دن ہوتا ہے کیونکہ اُس دن قربانی دینے والے مسلمانوں میں سے تقریباً اسّی فیصد حضرات قربانی کا جانور حلال کرتے ہیں، گوشت تقسیم کرتے اور گوشت کی اس تقسیم میں بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ بازار کھلے ہوتے ہیں، گھر سجے ہوتے ہیں اور بچوں کی ٹولیاں مصروف نوردی ہوتی ہیں۔ بھائی بہنوں کے سسرال میں عیدی لے کر جاتے ہیں، بڑے بزرگ یا گھروں کے سربراہ گھروں میں بچوں کو خوش کرتے ہیں۔ دور و نزدیک کے رشتہ دار ایک دوسرے سے ملنے کے لیے آتے ہیں اور کار زندگی میں مصروف و مشغول ترین لوگ بھی اُس دن موقعہ نکال کر اپنے رشتہ داروں کو ملنے آتے ہیں۔ بہر حال دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ عید کا دوسرا دن ہی ہر لحاظ سے خوشی و مسرت انگیز اور مصروف تین دن ہوتا ہے۔ موسم کیسا بھی ہو لیکن لوگوں کی دوڑ دھوپ، قربانی کے گوشت کی تقسیم کاری اور چہل پہل متاثر نہیں ہوتی۔

۱۱ مارچ سن ۱۷۳۹ء ——— وہ بھی بقر عید کا دوسرا دن تھا جب کہ ایک بد بخت، روسیاہ نے دہلی میں صرف پانچ گھنٹوں کے اندر تین لاکھ انسانوں کا قتل کروایا۔ بظاہر اُس قتل عام کا کوئی خاص سبب نہیں تھا صرف چند لوگوں کی ایک معمولی سی شرارت ہی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تھی۔ عام حالات میں اُسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا مگر جلال شاہی اور رعونت ایک معمولی سی بھول کو بھی صرف نظر نہ کر سکی اس لیے وہ دہلی جو صبح کو آباد، شاداں و فرحاں تھی شام کو شہر خموشاں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ہر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گھر اندھیرے میں ڈوب چکا تھا اور ہر کونے کھدرے سے رونے بسورنے اور آہ و فغاں کی آوازیں آرہی تھیں۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایرانی نژاد لیڈر نادر شاہ لال قلعہ پر قابض ہو چکا تھا۔ ساری دہلی ایرانی فوج کی تحویل میں آچکی تھی کہ اچانک شہر میں افواہ پھیلی کہ نادر شاہ کو قید کر دیا گیا ہے۔ ابھی یہ افواہ گشت کر ہی رہی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ نادر شاہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اُن افواہوں کا پھیلنا تھا کہ دہلی کے چند مقامی باشندوں نے اپنی مسرت کا اظہار کرنے کے لیے ناچنا کودنا شروع کیا اور ساتھ میں ہی مستی میں آکر کئی جگہ آگ لگا دی اور چند ایک ایرانی سپاہیوں کو قتل کر کے اُن کو بھی آگ میں ڈال دیا۔ جذبات میں بہہ کر یہ غلطی اُن کی ایک فاش غلطی ثابت ہوتی جس نے اُن کی قسمتوں کا فیصلہ دوسرے ہی انداز سے کیا۔

اُسی روز صبح کو جب یہ خبر نادشاہ کو ملی وہ انتہائی ناراضگی اور غیض وغضب سے بھر کر گھوڑے پر سوار ہو کر لال قلعے سے باہر آیا۔ راستے میں اُس نے اپنی آنکھوں سے چند ایرانی سپاہیوں کی سوختہ لاشیں دیکھیں۔ وہ آگے بڑھتا گیا اور چاندنی چوک میں روشن الدولہ کی سُنہری مسجد میں داخل ہوگیا۔ تمام عمایدین کو بلوایا تاکہ موجودہ حالات پر غور وخوض کر کے مزید کاروائی کا حکم دیا جاسکے۔ اچانک چند بلوائی مسجد کے زینے پر چڑھ آئے اور نادر شاہ پر خشت باری کرنے لگے۔ اُن کا خیال تھا کہ لڑے بھڑے بغیر ہی اُس کا کام اُدھر ہی تمام کر دیا جائے پھر حملہ آور سپاہیوں کو زیر کرنا دشوار نہیں ہوگا مگر اتنے میں اچانک کسی نے پاس والے مکان کی کھڑکی سے نادر شاہ پر گولی چلا دی۔ گولی تو اُسے نہیں لگی وہ بال بال بچ گیا مگر اُس کے قریب کھڑا محافظہ لقمہ اجل بن گیا۔ ان حالات میں نادر شاہ آپے سے باہر ہوگیا اُس کا غصہ عروج پر پہنچ گیا اور اُس نے بزن و بکش (مارو اور کاٹو) کا حکم دے کر لال قلعہ کی راہ لی۔

حکم کی دیر تھی کہ چشم زدن میں اُس کے ہزاروں سپاہی تین کوس دائرہ میں پھیل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کر قتل و غارت گری میں مصروف ہو گئے۔ بیشتر مکانوں کو آگ لگا دی گئی، دوکانیں لٹنے لگیں اور ہر طرف انسانی جسم گاجر مولی کی طرح کاٹے جانے لگے، کٹنے لگے اور کٹتے رہے۔ لگ بھگ دن کے دو بجے تک یہ قتل عام ہوتا رہا اور دہلی برباد ہوتی رہی۔ لٹتی رہی اور پٹتی رہی۔ تقریباً ڈھائی بجے کے قریب نظام الملک آنکھوں میں آنسو بھر کر، پھٹے پرانے لباس میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور رحم کا ملتجی ہوا۔ نادر شاہ نے سفارش کو قبول کیا اور قتل عام کے حکم کو منسوخ کیا۔ تمام شہر میں اُس بات کی منادی کرادی گئی جب کہ اُس وقت تک دہلی کے تین لاکھ انسان ناپید ہو چکے تھے۔ ہزاروں گھر ویران، بیشتر لٹے پٹے ادھ جلے اور کچھ مکمل طور سے راکھ کے ڈھیر بن چکے تھے۔ کئی مسلمانوں نے اپنی آبرو بچانے کی خاطر اپنی مستورات کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ کچھ عورتوں نے خودسوزی کی جب کہ کئی ایک نے کنوؤں میں کود کر عزت کی موت کو گلے لگایا۔

مورخین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جب نادر شاہ دہلی کو کھنڈروں میں تبدیل کر کے ۶ مئی کو واپس چلا گیا تو وہ زرِ کثیر بشمول بیش قیمت ملبوسات، طلائی نقرئی، ظروف اور نقد روپیہ کُل ملا کر ستّر (۷۰) کروڑ روپیہ اپنے ساتھ لے گیا۔ گویا اس طرح دہلی کے عوام اور مغل بادشاہوں نے ۳۴۸ برسوں میں جو دولت جمع کی تھی وہ ایک دن میں اُن کے ہاتھ سے نکل کر ایک غاصب لٹیرے کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ نادر شاہ ایک ہزار ہاتھی، سات ہزار گھوڑے اور دس ہزار اونٹ بھی اپنے ساتھ تاوان میں لے گیا۔ وہ دولت اور لوٹ کھسوٹ کا مال مگر نادر شاہ کو راس نہ آیا، آتا بھی کیسے؟ دہلی کے مظلوموں کی آہیں، معصوموں کے آنسو اور بے گناہوں کا خون آخر رنگ لایا۔ دہلی سے لوٹنے کے بعد اُسے ایک پل بھی سکون نہیں ملا۔ اُس کی زندگی مختلف معاملات میں الجھ کر جہنم زار بن گئی۔ محمد بخش آشوب نے اُسے دہلی میں چاک و چوبند، جوان اور صحت مند دیکھا تھا مگر صرف پانچ سال کے بعد جب نجف میں اُسے دیکھا گیا تو عبداللہ بن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حسن السوری کے الفاظ میں وہ اسّی سال کا ایک نحیف ونزار بوڑھا لگ رہا تھا۔ سامنے کے دانت گر چکے تھے اور اُس کے حواس میں بھی فتور آچکا تھا۔ دہلی سے روانگی کے صرف آٹھ سال کے بعد ۹ جون ۱۷۴۷ء کو وہ ایک خفیہ سازش کا شکار ہو کر واصل بہ جہنم ہوگیا۔

مسلمانوں کو عید کے یہ تحفے ہمیشہ ملتے رہے ہیں۔ کبھی اپنوں سے اور کبھی پرائیوں سے۔ کبھی یہودیوں سے تو کبھی عیسائیوں سے، کبھی امریکہ سے تو کبھی برطانیہ سے، کبھی فرانس تو کبھی روس سے، کبھی محافظوں سے تو کبھی نگہبانوں سے۔ موجودہ وقتوں میں یہ تحفے ہمیں عید پر کئی بار ملے ہیں اور آگے بھی نہ جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے اور دنیا بھر میں ایسے تحفے صرف مسلمانوں کو ہی کیوں ملتے رہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ——— کیوں؟ کیونکہ۔

گھروں سے تادرِ زنداں وہاں سے مقتل تک
ہر امتحان سے تیرے جاں نثار گذرے ہیں
(حفیظ میرٹھی)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دل دریا سمندروں ڈونگے

جفائے چرخِ ستم گار نے نہ دی مہلت
ہمارے بخت جفاکار نے نہ دی مہلت
کہ اُن کے قدموں پہ ہم جاں نثار کرلیتے
(اختر شیرانی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دل دریا سمندروں ڈونگے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کئی شہر اور قصبے وہاں پر موجود مختلف آثار، جاذب مناظر، حیران کن تعمیر و عمارات کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں اور کچھ کی پہچان محیر العقول آثار قدیمہ کی وجہ سے بنی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر شہر آگرہ تاج محل کی شاندار اور عقل کو دھنگ کرنے والی یادگارِ محبت سے منسوب ہے اس لیے آگرہ کا نام آتے ہی ذہن تاج محل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پھر سننے والے نے تاج محل ذاتی طور پر دیکھا ہو یا نہیں۔ بنارس اپنی صبح کے لیے مشہور ہے اور اُسی طرح اودھ یا لکھنو شام کے لیے معروف ہے۔ صبح بنارس اور شام اودھ تلمیحات بن چکی ہیں۔ پوری کو ہی نظر میں لایئے۔ خالی دھوتیوں میں ملبوس ایک پورا انسانوں کا سمندر اور اُس سمندر کے بیچ میں ایک عظیم الشان رواں راتھ جس کو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ کھینچ کر آگے لے جاتے ہیں واقعی دیکھنے والا نظارہ ہوتا ہے۔ ویسا جم غفیر کُمبھ کے میلے پر بھی نہیں ہوتا اور نہ کیرالہ میں اُونم کے تہوار پر ہوتا ہے۔ راجستھان بظاہر ایک لاانتہا ریگستان ہے مگر نیلے پہاڑوں اور گلابی شہر (Pink City) کی وجہ سے یہ پھر بھی اتنا مشہور ہے کہ ہندوستان کی سب سے عمدہ اور پُر تکلف ریل سیاحوں کو لے کر اُسی ریگستان کے بیچوں بیچ دوڑتی ہے۔

دلی کو تو ہندوستان کا دل کہا جاتا ہے اس میں گرچہ کئی مساجد اور مسلمان دور حکومت کی تاریخی وراثت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے مگر ظاہر طور عام لوگوں کا خیال دلی کا نام سنتے ہی ایک دم لال قلعہ کی طرف جاتا ہے۔ حیدرآباد کا نام آتے ہی خیال چارمینار کی طرف مبذول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امرتسر کا نام لیا جائے تو دماغ میں گولڈن ٹیمپل گھوم جاتا ہے۔ اپنے کشمیر میں تو ہر جگہ ہر قریہ نام لینے کے قابل ہے۔ ہر طرف پھولوں کے بن ہیں اور سرسبز جاگیریں ہیں۔ سبزے کا یہاں وہ عالم ہے کہ بقول غالبؔ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سبزے کو بھی کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا رُوئے آب پر کائی

اور سبھی کشمیری یہ بات جانتے ہیں کہ یہاں یہ صورت حال ہے کہ نہ صرف روئے آب پر سبزہ ہے بلکہ زیر آب یا تہہ آب بھی سبزہ ہی سبزہ ہے۔ کشمیر کا ذکر لے کر بیٹھیں تو اصل موضوع دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ البتہ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعر نے اس ہوش ربا پرستان کی خوبیوں کو چند الفاظ کے مایا جال میں سمیٹ کر بات کو مختصر کیا ہے۔

ہر چہرہ یہاں چاند ہے ہر ذرہ ستارہ
یہ وادیٔ کشمیر ہے جنت کا نظارہ

مرتھ واڑہ مہاراشٹر یا مختصر الفاظ میں ممبئی کا نام آتے ہی ذہن میں ایک دم بالی ووڈ یا فلمی دنیا سما جاتی ہے۔ دوسری ریاستوں کے مقابلے میں یہاں اُردو ہندی میں سب سے زیادہ فلمیں اور ٹی وی سیریل بنتے ہیں۔ گلیمر کی اس دنیا جس کو عروس البلاد، شہروں کی ملکہ یا شہروں کی دلہن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے میں دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں اتنی راحت ملتی ہے کہ آپ ایک شیٹ اوڑھ کر سوتے ہیں ورنہ یہاں سال بھر گرمی پڑتی ہے۔ دیکھنے کے لیے کوئی خاص جگہ نہیں ہے مگر پھر بھی اس شہر میں جادو ہے۔ میں اسے طلسمی شہر مانتا ہوں کیونکہ سال بھر گرمی اور مچھروں کی بھر مار کے باوجود بھی جو بھی یہاں آتا ہے پھر واپس جانے کا نام نہیں لیتا۔ لوگ دو کانوں کے تھڑوں، فٹ پاتھوں اور پانی کی پائپوں میں زندگی گذارتے ہیں کیونکہ اتنی جگہ کی قلت پھر بھی ہر ایک یہاں کا ہی ہو کے رہنا چاہتا ہے۔ چلیے اسی جادو نگری اور اسی پرانت کے بارے میں آپ کو ایک المیہ سناتے ہیں:

مرہٹہ سردار چمپت رائے کے بیٹے چھتر سال نے کافی عرصہ تک مغلوں کی ملازمت کی مگر پھر وہ اچانک فوجی ملازمت سے بددل ہو گیا اور ایک دن اُس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مغلوں کی نوکری چھوڑ کر ایک آزاد زندگی گذارنے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر ابھی اُس کی قسمت میں آرام نہیں لکھا گیا تھا کیونکہ سن ۱۶۷۰ء میں مرہٹوں نے اُسے مغل فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج کا سردار بنالیا ہے جسے اُس نے صرف اپنی قوم کا دل رکھنے کے لیے مبادا اُسے غدار قوم و وطن نہ سمجھ لیا جائے، قبول کرلیا۔ ایک بار جنگ کے دوران وہ مغل فوجوں کے گھیرے میں آگیا اور جب اُس کی شکست اور موت یقینی تھی تو اُس نازک موقعہ پر باجی راؤ پیشوا نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی اور چھتر سال کی مدد کی جس سے وہ بچ بھی گیا اور اُس کی یقینی شکست فتح میں تبدیل ہوگئی۔ وہ پیشوا کا اس بروقت مدد کے لیے احسان مند ہوگیا اور اپنے ستھان پر پہنچ کر اُس نے ممنونیت کے بطور اپنی سب سے قیمتی اور محبوب شئے مستانی نام کی ایک رقاصہ باجی راؤ پیشوا کی خدمت میں نذر کردی۔

شیواجی مرہٹہ کے بعد مرہٹوں کی تاریخ کی سب سے اہم شخصیت پیشوا باجی راؤ اول کو سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے مرہٹہ حکومت کو عروج کی آخری منزلوں تک پہنچایا۔ مرہٹہ مورخین کا ماننا ہے کہ اُس کا دماغ سکیمیں سوچنے اور پلان بنانے کا مخرج تھا۔ وہ طویل القامت، خوبصورت شخصیت کے ساتھ ساتھ ماہر حرب وضرب اور حوصلہ مند حکمران تھا۔ مستانی آکر اُس کے دربار کی رقاصہ بن گئی۔ وہ ایک صاحب قسمت عورت تھی جس کے پیار و محبت کی داستان آج بھی مرہٹہ لوک گیتوں میں گائی جاتی ہے۔ مستانی کے والدین کے بارے میں کوئی جانکاری نہیں ملتی البتہ وہ ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتی تھی جہاں جسم اور چہرے کی خوبصورتی اور ناچ گانے کی چابکدستی ہی ذریعۂ معاش ہوتی ہے۔ اور یہ اُس کی قسمت کی خوبی تھی کہ وہ وقت کے ایک اہم مراہٹہ حکمران اور قدآور شخصیت پیشوا باجی راؤ کے ساتھ متعارف ہوگئی۔ وہ جلدی ہی اُس کے دل میں اُتر گئی۔ دو دلوں کا ملن اور دو روحوں کا اتصال ہوا۔ رقاصہ کی زندگی بالکل بدل گئی اور ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حکمران اُس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوگیا۔ پیشوا کو مستانی کی قربت کے بعد اور کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ بے خودی نے اُس کو امور سلطنت سے بیگانہ کر دیا۔ اُس کی کثرت شراب نوشی، گوشت خوری اور لاپرواہی نے اہلِ دربار کو فکر مند اور ناراضگی کے ساتھ برانگیختہ بھی کر دیا۔

باجی راؤ کی پہلی بیوی کاشی ایک قابل اور معاملہ فہم عورت تھی۔ اُس نے مستانی کے ساتھ کوئی حسد نہیں رکھا اور نہ کبھی اُسے اپنی سوت سمجھا بلکہ اُس کا برتاؤ ایک سہیلی جیسا رہا۔ دراصل وہ اپنے شوہر کی ہر خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی تھی اور اس کے علاوہ چونکہ وہ ایک ذہین عورت تھی وہ سمجھتی تھی کہ یہ ایک وقتی اُبال ہے اور کچھ عرصہ میں عشق کا یہ جوش خود بخود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد کاشی اور مستانی کے گھر دو لڑکوں نے جنم لیا۔ کاشی کے لڑکے کا نام راگھوبا اور مستانی کے لڑکے کا نام شمشیر رکھا گیا۔ حالانکہ دونوں کا باپ ایک ہی تھا مگر کاشی کے بیٹے کے لیے لالن پالن اور دیگر شاہی لوازمات کا اہتمام تھا جب کہ مستانی کا بیٹا اُن سب چیزوں سے محروم تھا۔ مستانی کو جو کچھ کرنا پڑتا معمولی ڈھنگ سے وہ خود ہی کرتی۔ جینو پہنانے کے موقعہ پر جینو صرف راگھوبا کو پہنایا گیا جب کہ شمشیر کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ پیشوا نے گرچہ بہت اودھم مچایا مگر پنڈتوں اور مذہبی رہنماؤں نے جو ایسے معاملات میں بادشاہ سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں، اُس کی ایک بھی نہ سنی اور شمشیر کو مذہبی رسم و رواج میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔

اس حادثے نے باجی راؤ کے ذہن پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ اُس نے شمشیر کے ساتھ ہوئی زیادتی کو حد سے زیادہ محسوس کیا۔ وہ مذہبی استحصال اور بے جا اجارہ داری سے بدظن ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کے امورات سے بددل ہوگیا۔ اُس نے امور سلطنت کے کاموں میں دلچسپی لینا یکسر چھوڑ دیا۔ درباریوں اور پنڈتوں کا ماتھا ٹھنکا۔ اُن کا ماننا تھا کہ ان تمام باتوں کی ذمہ دار چونکہ مستانی ہے اس لیے اُسے ہی منظر سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غائب کر دینا مناسب ہوگا۔ سازشیں پروان چڑھنے لگیں، مشورے ہونے لگے، پلان بننے لگے اور آخر میں انہوں نے مستانی کا اغوا کرلیا اور پونا کے قریب ایک پُرانے قلعے میں اُسے قید کر دیا گیا۔ گرچہ یہ سب حب الوطنی اور ملکی مفاد کی خاطر کیا گیا تھا مگر یہی چیز باجی راؤ کے لیے سوہانِ روح بن گئی۔ نتیجے کے طور پر وہ بیمار ہوگیا اور کھاٹ سے لگ گیا۔ حکومت کے سازشی کارپرداز باجی راؤ کو دور ایک جگہ پر لے گئے تاکہ اُس کا بہتر علاج ہو سکے۔ اُس کی ابتر حالت کے بارے میں سن کر کاشی فوراً اُس کے پاس پہنچی اور اُس کی تیمارداری کرنے لگی مگر پیشوا بے ہوشی اور ہوش کی حالت میں صرف مستانی کو ہی پکارتا رہتا تھا۔ اُس کے دل کی ہر دھڑکن میں صرف اور صرف مستانی ہی تھی۔ کاشی کے احساسات پر ایک زبردست چوٹ لگی اور وہ سمجھ گئی کہ اُس کا سرتاج مستانی کی ہمیشہ پرستش کرتا رہا ہے اور آگے بھی کرتا رہے گا۔ اس بگڑی ہوئی صورت حال نے اُسے رنجیدہ خاطر کر کے موت کے قریب کر دیا۔ اس لیے اُس نے ایک وفاشعار بیوی ہونے کے ناطے ستی ہونے کا فیصلہ کرلیا بلکہ ستی ہونے کی تیاری بھی کرلی۔

دوسری جانب مستانی نے ایک لالچی سپاہی کو کافی دولت دینے کا وعدہ کیا اور اُس سے ایک گھوڑا حاصل کرلیا۔ اُس نے اُس جگہ پہنچنے کی کوشش کی جہاں باجی راؤ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ وہ گرچہ برق رفتاری سے دیوانہ وار اپنے محبوب سے ملنے کے لیے بھاگتی، گرتی پڑتی آگئی مگر افسوس مستانی کو اُس جگہ پہنچنے میں دیر ہوگئی ——— اُس کا محبوب اُسے تڑپتا چھوڑ کر جا چکا تھا ———

وہ دیوانی ہوگئی، اُس نے دیواروں پر سر دے مارا، بال اُکھاڑے، منہ نوچا، اپنے رگ و ریشے سے خون بہایا اور پھر اُس نے بھی تڑپ تڑپ کر اُسی جگہ پر جان دے دی۔

پونا کے قریب جگندر کے گھنے جنگل میں جہاں مستانی نے آخری سانس لی تھی آج

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی لوگ ایک ہے مثال چڑیا کو کبھی کبھی آتے دیکھتے ہیں۔ اُس چڑیا کے پَر خوبصورت اور سنہرے رنگ کے ہیں۔ وہ چیختی چلاتی اور آہ و زاری کرتی رہتی ہے۔ اُس کی نوحہ خوانی اور دردناک آواز کسی تڑپتے اور بے چین دل کی پکار ہوتی ہے۔ وہاں کے لوگوں کا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ وہ چڑیا مستانی کی روح ہے جو اپنے محبوب سے آخری وقت نہ ملنے کی وجہ سے ہمیشہ تڑپتی رہتی ہے اور آگے بھی ہمیشہ تڑپتی رہے گی۔

جفائے چرخِ ستم گار نے نہ دی مہلت
ہمارے بخت جفاکار نے نہ دی مہلت
کہ اُن کے قدموں پہ ہم جاں نثار کر لیتے
(اخترؔ شیرانی)

مستانی اور باجی راؤ پیشوا کی بے مثال عشق و محبت کی المیہ داستان آج بھی مہاراشٹر کے جذباتی رومانی گیتوں اور کہانیوں میں یاد کی جاتی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لالہ صحرا

ہم اپنا خون دینے کی ادا رکھتے ہیں صدیوں سے
کہ حق پر جان دینے کا کبھی جذبہ نہیں رُکتا
(چراغ الدین چراغ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لالہ صحرا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سن ۱۸۷۸ء میں روسیوں کے ہاتھوں ترکوں کی شرمناک شکست کے بعد جب برطانیہ کی ثالثی کے تحت برلن میں صلح کا معاہدہ طے ہوا تو حکومت ترکیہ کو اپنے کئی مقبوضات سے محروم ہونا پڑا اور کئی ایسے ممالک سے دست بردار ہونا پڑا جن پر سلطنت عثمانیہ کی عمل آوری صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ مقبوضہ علاقوں سے ترکوں کا جھنڈا سرنگوں ہوتے ہی برطانیہ نے ترکوں کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک طرف جزیرہ قبرص میں اپنے خونین پنجے گاڑھ دیئے اور دوسری طرف مصر وسوڈان میں اپنے سامراجی شکنجے کی گرفت اور زیادہ سخت کردی۔ مصر کا ہمعصر خدیو عملی طور پر برطانیہ کا تابعدار بن گیا اور اُس کمزور فرمانروا کے سر پر جو انگریز افسر مسلط کردیئے گئے تھے یا جو ریذیڈنٹ وغیرہ وہاں تعینات کئے گئے تھے اُن کی مرضی اور اجازت کے بغیر وہ انگلی ہلانے کی بھی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ نہ تو خدیو میں اتنی ذاتی جرأت تھی اور نہ ہی ملک مصر کی فوجی استعداد ہی اس قدر مستحکم تھی کہ وہ اس ناجائز دخل اندازی اور تسلط کے خلاف نبرد آزما ہوجاتا۔ اور انگریز کے ناپاک قدم اپنی پاک سرزمین سے کھویڑ دیتا۔ انگریز اُس وقت بزعم خویش بے حد مغرور تھا اور اُس وقت کا ورلڈ پولیس مین بنا پھرتا تھا اور اُسی وقت کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ برطانیہ کا سورج دن رات غروب نہیں ہوتا۔

برطانیہ کے اس روز افزوں اثر و اقتدار سے مصر وسوڈان کے محب وطن عوام میں بے چینی کی آگ بھڑکنے لگی اور وہاں ایسی عوامی جماعتیں وجود میں آگئیں جو جان کی بازی لگا کر اور اپنی ہر ایک شئے داؤ پر اٹھا کر برطانوی سامراج کے سیلاب کو روکنے کے لیے تیار تھیں۔ زوال پذیر سلطنت عثمانیہ سے کسی قسم کی امداد کی توقع نہ رہی تھی اس لیے محب وطن عناصر نے خود ہی غیر ملکی سامراج کی زنجیروں کو توڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح سے سن ۱۸۸۰ء میں اعرابی پاشا کی زیر قیادت مصر کے حریت پسند عوام نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انگریزوں کے خلاف مسلح جنگ ملک گیر پیمانہ پر شروع کر دی۔ سن ۱۸۸۱ء میں دنجلہ سوڈان کے روحانی پیشوا شیخ محمد احمدؒ نے جنہیں عام طور پر مہدیٔ سوڈانی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، برطانوی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی اور علم آزادی بلند کیا۔ اگرچہ شیخ محمد احمدؒ نے بذات خود بھی مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن اُن کے مریدوں کو ایسے ہی یقین تھا کہ وہ درحقیقت امام مہدی ہیں اور اُنہیں جہاد کی قیادت و سیادت کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے مامور کیا گیا ہے اور اُن کی مدد کے لیے فرشتے آسمان سے نازل ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس نے درویشوں میں بے انتہا شجاعت و جاں نثاری کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جس کی مثال تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔ درویشوں کی فوجی قوت اور مہدی سوڈانی کی شہرت و مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہا جس سے شاطر انگریز گھبرا اٹھے۔ درویشوں میں ایسا نظم و ضبط، صف بندی، جاں نثاری اور مقابلہ آرائی ہو سکتی تھی ایسا خونخوار انگریز قوم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

ابتداء میں انگریز کو یقین تھا یا وہ خود کو طفل تسلیاں دے رہے تھے، کہ وہ سوڈان کے مٹھی بھر درویشوں کو آسانی کے ساتھ کچل دیں گے۔ چنانچہ انگریز نے مہدی سوڈانی کی سرکوبی کے لیے ایک چھوٹی سی فوج بھیجی لیکن درویشوں نے بے سرو سامانی کے باوجود اُس فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آٹھ سپاہیوں کو جو کسی طرح سے جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، باقی فوج کا صفایا کر دیا۔ مقتولین کا سامان حرب وضرب درویشوں کے ہاتھ لگا جو آگے چل کر بہت کارآمد ثابت ہوا۔ کیونکہ اُن کو ویسے بھی اسلحے کی اشد ضرورت تھی۔ انگریز نے غصے میں آ کر ایک بڑی فوج سوڈانی کی سرکوبی کے لیے بھیج دی جس میں انگریزوں کے ساتھ مصری سپاہی بھی تھے لیکن اُس فوج کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی فوج کا ہوا تھا۔ اس جنگ میں درویشوں نے غنیم کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عساکر کو چن چن کر صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا اور اُن کا سامان ضرب وحرب اپنے پاس ذخیرہ کرلیا۔

سن ۱۸۸۳ء میں انگریز نے اپنے کمانڈر جنرل ہکس کی سربراہی میں ایک زبردست فوج تیسری بار درویشوں کے مقابلہ پر کھڑی کردی۔ دونوں فوجوں کے درمیان زبردست مقابلہ آرائی ہوئی مگر آخر میں اُس فوج کو بھی شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک اور کوشش میں چوتھی بار انگریز اور مصری فوج نے سن ۱۸۸۴ء میں پھر سوڈان پر چڑھائی کرلی اور ایک زبردست مقابلہ آرائی کے بعد انگریز کو پھر منہ کی کھانی پڑی اور درویشوں نے انہیں پھر سوڈان سے دست بردار ہونے کے لیے مجبور کیا۔ اور اس طرح سے انگریز کی تاریخ خونین میں پہلی بار انگریز فوج پر ایک دہشت سی طاری ہوگئی اور وہ مقابلہ آرائی سے اجتناب کرنے لگی۔ اور اُدھر سے اس طرح درویشوں کے حوصلے بھی بڑھتے گئے، حب الوطنی کا جذبہ گہرا ہوتا گیا، ایمانی قوتیں جوش مارنے لگیں اور انہوں نے بزور شمشیر سوڈان کے کئی مقبوضہ علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد دارالحکومت خرطوم پر چڑھائی کی۔ برطانوی فوج کے چھکے چھوٹ گئے، وہ مقابلہ کی تاب نہ لاسکی اور بھاگ کھڑی ہوئی، تب درویشوں نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ سن ۱۸۸۵ء میں جنرل گارڈن کی کمان میں پھر ایک بار ایک زبردست فوج درویشوں کے مقابلہ پر روانہ کردی گئی لیکن انگریز کو پھر شکست فاش ہوئی اور اس جنگ میں جنرل گارڈن بھی مارا گیا۔ اور پتہ نہیں کس کس محاذ پر اُس نے اپنی خونین کرتوت کا مظاہرہ کیا ہو مگر سرزمین سوڈان پر درویشوں کے ہاتھوں اُس کی شکست اور موت مقدر بن چکی تھی اور محاورتاً نہیں بلکہ عملاً مسلم جانبازوں نے انگریز کا نہ ڈوبنے والا سورج تہہ سحاب کردیا۔

سن ۱۸۹۰ء میں برطانیہ کے مشہور فوجی جنرل کچنر کو مصری فوجوں کا کمانڈر اِن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چیف مقرر کر دیا گیا۔ جو ہندوستان سے اپنی ظالمانہ خدمات انجام دے کر آیا تھا۔ اُس نے صلیب ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ وہ جنرل گارڈن کی موت کا بدلہ ضرور لے گا اور درویشوں کا اُس بات کی پوری پوری سزا دے گا۔ اتنی جرأت تو اُس میں تھی ہی نہیں کہ وہ آتے ہی درویشوں کو للکارتا اس لیے وہ مسلسل سات برس تک تیاری کرتا رہا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ وہاں کے بھی کھمبے ہیں اتنے ہی لمبے"۔ مگر اس دوران مہدی سوڈانی کا انتقال ہو چکا تھا جنرل کچنر نے کچھ اور تیاریوں کے علاوہ برطانوی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ قاہرہ سے سوڈان تک ریلوے لائن بچھائی اور دریائے نیل میں ہلکے جنگی جہازوں کا ایک طاقتور بیڑہ جمع کر لیا۔ درویش میدانی لڑائی سے پریشان نہیں تھے البتہ وہ جنگی جہازوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور نہ اُن کے پاس اُس کے وسائل تھے۔ آخر کار ایک خطرناک جنگ چھڑ گئی، درویشوں نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن اُنہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مہدی سوڈانی کے خلیفہ عثمان دغنہ میدان جنگ میں شہید ہو گئے لیکن اُن کی لاش انگریز کے ہاتھ نہ آسکی۔ درویش جانتے تھے کہ وہ اُن کی لاش کے ساتھ بے حرمتی کریں گے اس لیے انہوں نے مرحوم کو ایک پوشیدہ مقام پر دفن کر لیا۔ جنرل کچنر نے اپنی جبلی فطرت کے مطابق درویشوں کا قتل عام کیا اور اپنے منحوس انتقامی جذبے سے اندھا ہو کر اُس سگِ ابیض نے ایسی وحشیانہ حرکت کی جس کے لیے انسانیت اور انسانی اقدار ہمیشہ افسوس کرتے رہیں گے اور تاریخ قیامِ دنیا تک کچنر پر لعنت کرتی رہے گی۔ اُس نے مہدی سوڈانی کی مقبرے کو توپوں سے گولہ باری کر کے مسمار کرا دیا۔ قبر کھود کر لاش کو باہر نکالا اور اُسے آگ میں جلا کر راکھ کو دریا میں پھنکوا دیا۔

اس طرح سے حب الوطنی سے معمور مجاہدین حق کی ایک اور جماعت باطل کا طوقِ غلامی قبول کرنے کی بجائے سر کٹا کر واشانِ جنت ہو گئے اور کچنر اور اُس کی قوم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے لیے ایک ابدی لعنت اپنے پیچھے چھوڑ گئے ۔

ہم اپنا خون دینے کی ادا رکھتے ہیں صدیوں سے
کہ حق پر جان دینے کا کبھی جذبہ نہیں رکتا
(چراغ الدین چراغ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گیلنٹری ایوارڈ

اس بزم بیکراں کی ہر بات ہے نرالی
یاں کام ہے کسی کا اور نام ہے کسی کا
(سید قاسم جالنوی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گیلنٹری ایوارڈ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چرخِ کہن کے سائبان کے نیچے صفحہ گیتی کی تاریخ کے صفحات اس بات پر بذاتِ خود شاہد اور گواہ ہیں کہ حکمِ شاہی اور مزاجِ شاہی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ہے۔ جس کو حکومت کی جانب سے جاہ وحشمت سے نوازا جاتا ہے، معمولی یا غیر معمولی عزت افزائی کی جاتی ہے اُسی کا مزاج شاہی پلٹتے ہی معزول کیا جاتا ہے، قید و بند میں ڈال دیا جاتا ہے، قعر مذلت سے دو چار کیا جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس بات سے غرض نہیں پھر باعث کچھ ہو نہ ہو۔ نور نظر قہر نظر کے مستوجب ہو جاتے ہیں۔ وہی حکومت یا وہی سربراہِ مملکت اپنے وفادار جاں نثاروں کو سزا دیتے وقت یا طوطا چشمی کرتے وقت اُن کی تمام خدمات اور وفاداریوں کو فراموش کر دیتا ہے جو اُس نے ملک کی سلامتی اور حکومت کے استحکام کے لیے انجام دیں ہوتی ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات وقوع پذیر ہو چکے ہیں اور آگے بھی ہوتے رہیں گے۔ دنیاوی سیاست کے اس خاص اصول کی بنیاد ہمیشہ خود غرضی، ناشکر گذاری، ناانصافی اور ظلم پر مبنی ہوتی آرہی ہے۔ اور آگے بھی تادور دنیا یہ دنیاوی سیاست اُسی خود غرضانہ اصول پر قائم رہے گی۔ دانش مندوں اور وفاداروں کے عبرت ناک انجام کے واقعات ہر ملک کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں بلکہ ایسے واقعات سے تواریخ بھری پڑی ہوتی ہیں۔ چند ایک واقعات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

سقراط یونان کا سب سے بڑا فلسفی ہی نہیں بلکہ وہ ایک بہادر، بیباک اور نڈر انسان تھا۔ اُسے فلسفہ کا سورج کہا جاتا ہے۔ سقراط کو اہل ایتھنز سے بہت محبت تھی۔ وہ ہمیشہ اُن کی بھلائی کا خواہاں رہتا تھا۔ اُس نے یونان میں علم وحکمت کے ایسے چراغ جلائے جن سے صدیوں تک یونانی علم وحکمت کی روشنی ساری دنیا میں پھیلتی رہی۔ اسے بدقسمتی سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ایتھنز والے اُس کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے اُس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پر نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا الزام لگا کر سن ۳۹۹ ق م میں زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کر کے ہلاک کر ڈالا۔ یہ الگ بات ہے کہ سقراط اپنے علم کی بدولت آج بھی زندہ ہے اور جب تک علم کا نور تابندہ ہے تب تک وہ بھی زندہ رہے گا۔

جولیس سیزر کا شمار سکندر، نپولین، طارق بن زیاد کے ساتھ دنیا کے چار بڑے جنرلوں میں ہوتا ہے۔ رومن سینیٹ (Senete) کے دوسرے ارکان اُس کی بڑھتی ہوئی طاقت، مقبولیت اور شہرت سے پریشان ہو گئے۔ اُنہیں اندیشہ تھا کہ روم کا یہ عظیم فاتح ایک دن خود مختار قیصر بن جائے گا اور قلوپطرہ ملکہ مصر سے شادی کر کے اُس کو روم کی ملکہ بنائے گا۔ حالانکہ اُس بات سے اُن کے وقار اور درباری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر انگریزی میں کہتے ہیں نا کہ Fimilarity breeds the contempt شہرت ہی نفرت کو جنم دیتی ہے۔ اس لیے اُن لوگوں نے اُسے زیادہ معروف و مقبول ہونے نہیں دیا اور اُسے سن ۴۴ ق م میں سینیٹ کے بھرے دربار میں قتل کر دیا۔ اس انداز سے کہ تمام درباریوں نے جن میں سیزر کا دوست بروٹو بھی شامل تھا نے ایک ساتھ مل کر اُس پر خنجروں سے وار کیا تا کہ انفرادی حیثیت میں کوئی قتل میں ملوث نہ مانا جائے۔ وہ لوگ اُس وقت اس بات کو بھول گئے کہ سیزر نے رومن حکومت کے لیے کتنی عظیم فتوحات اور خدمات انجام دیں تھیں۔ یہ وہی سیزر تھا جس نے رومن ایمپائر کا دبدبہ ساری دنیا میں بٹھا دیا تھا۔

جنرل طارق بن زیاد اسپین کا پہلا عظیم فاتح تھا۔ اسپین میں آج بھی اُس شہرۂ آفاق جانباز سپاہی کے نام سے جبرالٹر (جبل الطارق) موجود اور مشہور ہے۔ سن ۷۱۱ء میں جنرل طارق بن زیاد نے اسپین کے تمام شہروں کو فتح کرنے کے بعد بادشاہ راڈرک کو شکست دے کر ٹالیڈو کو بھی فتح کر لیا۔ گورنر موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کی یہ فاتحانہ شان اور اقبال مندی شاق گذری بلکہ ناپسند ہوئی۔ اُس نے طارق کو آگے بڑھنے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے منع کر دیا۔ موسیٰ بن نضیر کے اُس بیوقوفانہ حکم نے فتح و نصرت کی شکل ہی تبدیل کر کے رکھ دی، ورنہ تمام یورپ طارق بن زیاد کے قدموں پر سرنگوں ہو چکا ہوتا۔ گورنر موسیٰ بن نضیر اس کے بعد اسپین پہنچا اور آتے ہی جنرل طارق کو بلاوجہ قید میں ڈال دیا، نہ صرف یہ بلکہ اُس بین الاقوامی شہرت یافتہ سپاہی کو کوڑوں سے بھی پٹوایا۔ اور اس طرح سے اُس عظیم فاتح جس کا لقب شاہین تھا کو اُس کی خدمت اور شجاعت کا صلہ دیا گیا۔ مگر جس رشک و حسد نے طارق بن زیاد کو ذلیل کرایا تھا موسیٰ خود بھی اُس کا شکار ہو گیا۔ سلیمان بن عبدالملک کے خلیفہ بنتے ہی اُس نے موسیٰ بن نضیر کو ذلیل و خوار کر کے معزول کیا بلکہ سزا بھی دلوادی اور اُسے دھکے دے کر ملک بدر کر دیا۔ آخری عمر میں وہ ایک گاؤں وادی القریٰ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

تاریخ اسلام کے سب سے کم عمر جنرل محمد بن قاسم نے صرف ۱۷ سال کی عمر میں سن ۷۱۲ء میں سندھ کو فتح کیا۔ اُس نے تین سال تک امن و امان کے ساتھ حکومت کی اور رعایا جو تقریباً ساری کی ساری غیر مسلم تھی، میں بے حد مقبول ہو گیا۔ مگر سلیمان بن عبدالملک نے خلیفہ بنتے ہی اُسے معزول کر کے بغداد واپس بلوایا جہاں اُسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ وہ کچھ عرصہ قید خانے میں بے حد تکلیف اُٹھا کر آخر شہید ہو گیا۔ یوں اُس کمسن جنرل کی داڑھی پھوٹنے سے قبل ہی اُس کی قبر پر خودرو گھاس پھوٹی اور اُسے اُس کی بہادری، جاں نثاری اور اولوالعزمی کا اس طرح سے صلہ مل گیا۔

تاریخ عرب میں بنی عباس کی سلطنت اہمیت کی حامل ہے۔ بنی عباس کی سلطنت کے قیام میں ابومسلم اور ابوسلمہ نامی دو جنرلوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ دونوں نے خلافت عباسیہ کے لیے فتوحات کے جھنڈے گاڑھ دیئے لیکن جب سلطنت عباسیہ مضبوط اور مستحکم ہو گئی تو پہلے سفاح عباسی نے ابوسلمہ اور پھر دوسرے خلیفہ منصور عباسی نے سن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۷۵۵ء میں ابومسلم کو بے دردی سے قتل کرادیا اور یوں اُس کی عمر بھر کی خدمت، وفاداری اور فوجی کارنامے اُن کے لیے موت کا پیغام لے کر آئے۔

پندرہویں صدی عیسوی میں بہمنی سلطنت کے بادشاہ محمد شاہ بہمنی عسکری کا ایک مدبر، اعلیٰ ناظم اور بہادر وزیر محمود گاواں نے بادشاہ کی ہر طرح سے مدد و اعانت اور جاں نثاری کی۔ دکنی اُمراء رشک وحسد میں مبتلا ہو کر اُس سے جلنے لگے۔ اُن لوگوں نے بادشاہ کو اپنے وفادار اور جاں نثار وزیر محمود گاواں سے بدظن کر دیا۔ مخالفانہ سازشیں کامیاب ہوئیں اور محمد شاہ بہمنی نے ۱۴۸۱ء میں محمود گاواں جیسے وفادار وزیر کو قتل کرادیا۔ گرچہ بادشاہ کو بھی اپنے کیے ہوئے کی جلد ہی سزا مل گئی۔ وہ بھی ایک سازش کا شکار ہو کر نہ صرف مارا گیا بلکہ اُس کی سلطنت کو بھی زوال پذیر ہونا پڑا۔

ہندوستان میں انگریزوں سے جنگ کے دوران ڈیوپلے کو فرانسیسی حکومت نے مدد بھیجنے میں ہمیشہ کوتاہی اور لاپرواہی برتی۔ وہ ہندوستان میں فرانس کے لیے جنگ لڑ رہا تھا جو ظاہر ہے کہ وہ ہار گیا۔ حکومت نے اُسے سن ۱۷۵۴ء میں معزول کر کے فرانس واپس بلوالیا۔ تنگ دستی، افلاس اور مصیبت کے ساتھ پیرس کے گلی کوچوں میں دس برس گذار کر آخر وہ گمنامی کی موت مر گیا۔ ہندوستان میں فرانسیسی حکومت کے قدم جمانے کے صلہ میں اُسے معزولی اور ذلت عطا کی گئی۔ یہی دنیاوی سیاست کا ایک مکروہ اصول ہے۔ اُس کے بدلے میں حکومت فرانس نے جنرل لالی کو ہندوستان روانہ کیا اور اُس کے ساتھ بھی ڈوپلے جیسا سلوک کیا گیا۔ نہ اُسے کمک بھیجی گئی، نہ سامان حرب اور نہ ہی روپیہ پیسہ سے اُس کی مدد کی گئی۔ نتیجے کے طور پر اُس نے مزید انسانی جانیں تلف کرنے کی بجائے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ حکومت فرانس نے اُس کو واپس بلا کر بے دردی کے ساتھ قتل کرادیا۔

لارڈ کلایو نے حقیقت میں انگریزی اقتدار کی بنیاد ہندوستان میں رکھی۔ اُس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حکومت انگلشیہ کے لیے بہت بڑی خدمت انجام دی۔لیکن جب کلایو واپس وطن لوٹا تو اُسے اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں کافی ذلت اٹھانا پڑی۔اُس پر غبن اور رشوت خوری کا الزام لگایا گیا۔ یہ ذلت نہ سہہ کر اُس وجہ سے اُس نے آخر سن ۱۷۷۴ء میں خودکشی کرلی۔

جنگ عظیم دوم کی ''ریگستانی لومڑی'' یعنی جنرل رومیل افریقہ کی سرزمین پر اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں عظیم کامیابی کے بعد جب سن ۱۹۴۱ء میں جرمنی پہنچا تو ہٹلر نے اُسے خاموشی کے ساتھ قتل کرادیا۔اُس قتل کی کیا وجہ تھی اُس بارے میں آج تک کوئی نہ جان سکا۔ ہاں! اُسے بھی دنیاوی سیاست کے اصولوں کی ایک شق سے تعبیر کرسکتے ہیں۔جس بہادر جنرل سے اتحادی ممالک لرزاں تھے اور کسی بھی صورت میں فنا کردینا چاہتے تھے اُس کام کو خود اُس کی حکومت نے انجام دیا اور یوں اُس بہادر جنرل کو گیلنٹری ایوارڈ (Gallantry Award) سے سرفراز کیا گیا۔سید قاسم جالنوی کا کہنا ہے کہ ؎

اس بزم بیکراں کی ہر بات ہے نرالی
یاں کام ہے کسی کا اور نام ہے کسی کا

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

روزنِ زنداں

چمن والو اگر طرز عمل اپنا نہ بدلو گے
چمن بدنام بھی ہوگا، چمن ویراں بھی ہوگا
(دوا کر راہیؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

روزنِ زنداں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹی ایس سُوِن برن (T.S. Swinburne) کے سوا تمام یورپی اور ایشیائی مورخوں نے کشمیری بشمول ہندو اور مسلمان دونوں کو سمجھ دار، فطین اور ذہین قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو مقابلتاً غریب، باحیا، ایماندار، سادہ دل، سادہ مزاج اور بھولا بھالا ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کا لباس اور اُن کی خوراک بھی سادہ بتائی ہے۔ مختلف ادوار میں مسلمانوں پر ہورہے مظالم کا تذکرہ بھی تقریباً ہر ایک مورخ نے کیا ہے مگر اس سادہ مزاج اور بھولے بھالے انسان کو مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت کبھی منظم اور مربوط طور سے نہ ہوسکی جس کی وجہ سے یہ ہمیشہ ظلم کی چکی میں پستا رہا اور تکالیف سہتا رہا بلکہ دستِ تطاولی کو تقدیر سمجھ کر اُسے قبول کرتا رہا، مار کھاتا رہا اور تکالیف اٹھاتا رہا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سابقہ سات صدیوں سے جب سے کشمیر میں اسلام کا سورج ضوفشاں ہوا، لوگوں کو آزاد، خود مختار ہونا چاہیے تھا کیونکہ دین فطرت پابہ جولاں نہیں رہتا اور نہ رہ سکتا ہے۔ مزید برآں دین و دنیا کے اعتبار سے بھی اُسے ترقی کے اونچے منازل پر جلوہ افروز ہونا چاہیے تھا مگر برعکس اس کے وہ غلام ابن غلام ہی رہا۔ دور چاہیے کون سا بھی رہا، حکومت چاہے کس کی بھی رہی اور وقت چاہے کون سا بھی رہا۔

تبت کا شہزادہ رینچن کشمیر میں آکر اسلام قبول کرتا ہے۔ سلطان صدرالدین کے نام سے حکومت کرتا ہے۔ ایک غیر ملکی بادشاہ بن جاتا ہے اور کشمیری اُس کی رعایا ہوجاتے ہیں اور اس طرح سے غلامی کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ اُس کے بعد ایک اور غیر ملکی شاہ مرزا سن ۱۳۴۳ء میں تخت پر بیٹھتا ہے اور لگاتار سن ۱۳۴۳ء سے ۱۳۹۴ء تک حکومت کرتا ہے۔ کشمیریوں کی چھاتی پر مونگ دلتا ہے اور اپنے دن پورے کرکے تخت اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔ اُس کے بیٹے، پوتے یکے بعد دیگرے حکومت کرتے ہیں یہاں تک کہ حکومت پر چک قابض ہوجاتے ہیں۔ چک یا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ژک چکر یا ژکر کے معنی میں بھی خانہ بدوش (Nomads) کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی گریز کی طرف سے آ کر کشمیر کی حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں اور بیس سال کے بعد جب اُن کا ستارہ غروب ہو جاتا ہے تو مغلوں کا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے۔ گویا ایک غلامی سے نکل کر کشمیری دوسری غلامی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اول الذکر بھی بدیشی تھے اور موخر الذکر بھی بدیشی تھے۔ فرق کچھ بھی نہ پڑا۔ دراوغہ ہی بدل گیا جیل تو وہی رہی۔

مغلوں کی حکومت سن ۱۷۵۴ء میں ختم ہوگئی تو پٹھان براجمان ہوئے۔ انہوں نے بھی جو چاہا وہ پایا جو کرنا چاہا وہ کیا، مداخلت کسی کی نہ تھی، مدافعت کا زور کسی میں نہ تھا۔ یہ غلام ابن غلام اپنی سادہ مزاجی کمزوری اور توہم پرستی سے باہر ہی نہ آسکا تو حکومت کا دعویدار کیا بنتا۔ پٹھانوں کا سورج ڈوب گیا تو سکھوں کا چمکنے لگا۔ چکوں نے بتیس سال، مغلوں نے ایک سو بیس سال، افغانوں نے سڑسٹھ سال اور سکھوں نے بھی کشمیر پر ستائیس سال حکومت کی۔ غیر آتے گئے، حکومت کرتے گئے، کشمیری کو روندتے گئے مگر یہ روندا مُندا غلام کبھی آزادی اور عزت نفسی کا لفظ ذہن میں اُجاگر نہ کر سکا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور میں بیٹھ کر صرف سکھوں کو ہی دیکھتا رہا۔ اُن کی بھلائی، وقار اور عروج کا ہی سوچتا رہا جب کہ کشمیر میں اُس کے گورنر کشمیری مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ہانکتے رہے، مارتے رہے، بے عزت کرتے رہے اور کشمیری لڑکیوں کو اپنی داشتائیں بناتے رہے۔ ایک سکھ سپاہی اگر تفنن طبع کی خاطر کسی کشمیری مسلمان کا قتل کرتا تو حکومت کی طرف سے اُس پر سولہ روپیہ کا جرمانہ ڈال دیا جاتا۔ جو کوتوال، تحصیل دار اور دیگر استحصالی عناصر کا کمیشن کاٹ کر دو روپیہ مقتول کے گھر تجہیز و تکفین کے لیے دیا جاتا تھا وہ بھی اُس وقت جب مقتول کے گھر والے بھی اُس کو بھول چکے ہوتے تھے۔ سرینگر کی جامع مسجد پر چوبیس سال تک تالا چڑھا رہا۔ سکھ حکومت نے وہاں نماز پڑھنے پڑھانے کی مناہی کر دی تھی۔ یہ غلام اُس زیادتی کے خلاف لب بھی نہ ہلا سکا۔ سکھوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے فوجی جرنیل اور گورنر شیر سنگھ نامی شخص نے دریائے جہلم کے کنارے ایک توپ باندھ رکھی تھی اور اُس کا ارادہ مسجد شاہ ہمدان کو اڑانے کا تھا۔ وہ بہر حال اپنے مکروہ ارادے میں کامیاب نہ ہوسکا اور اس طرح سے ایک یادگار جس کے ساتھ کشمیریوں کی دلی اور جذباتی وابستگی ہے محفوظ رہی۔ سن ۱۸۲۳ء میں مور کرافٹ ایک معروف یورپی مورخ لکھتا ہے:

''ہر جگہ لوگ بڑی ناگفتہ بہہ حالت میں تھے۔ سکھ حکمرانوں کے بے جا اور کمر توڑ ٹیکسوں نے اور حکومت کے حاکموں کے ظلم وستم نے اُن کی زندگی جہنم بنادی تھی۔ زرخیز زمین کا سولہواں حصہ بھی زیر کاشت نہیں تھا اور گھروں میں فاقہ کشی سے نبرد آزما کئی کنبوں کے بڑے بزرگ میدانوں کی جانب روزی کمانے کے لیے جانے پر مجبور تھے۔ کسان سب سے زیادہ ابتر حالت میں تھے اور حکومت محصول کے طور فصل کی تین چوتھائی وصول کرتی تھی۔ ہر ایک شال کی ممکنہ قیمت پر ۲۶ فیصد ٹیکس عاید تھا۔ اس کے علاوہ اُس اُون پر بھی درآمدی ٹیکس عاید تھا جس سے شال بُنا جاتا تھا۔ اتنا ہی نہیں شال بُننے کی ہر ایک کھڑی زیر محصول تھی۔ ہر ایک کاروبار اور تجارت پر ٹیکس عاید تھا۔ قصائی، نانوائی، ہانجی، بالن فروش، خاکروب، طوائف ہر ایک کو بلدیاتی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا''۔

سکھوں کے کچھ گورنر مونے (بال کٹے) بھی تھے مگر وہ سب بھی کرپارام ہی ثابت ہوئے۔ سکھ حکومت کا ایک گورنر کرپارام نالہ مار کی ندی میں جو آج کل سڑک میں تبدیل کردی گئی ہے اور جس پر خانیار، بابہ ڈیمب کی جانب سے گاڑیاں آکر صورہ گاندربل کی طرف دوڑتی ہیں اور اگر سیدھی نکل جائیں تو قمرواری سے ہوکر پھر امیراکدل پہنچ جاتی ہیں ——— میں کشتی پر سیر کیا کرتا تھا۔ جولانیٔ طبیعت ایسی تھی کہ وہ کشتی کھینے کے چپوؤں پر گنگھرو بندھواتا تھا اور مانجھی جب وہ بڑی سی کشتی (پرآندہ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کھیتے تھے تو ایک ساتھ چپو اٹھنے حرکت کرنے سے ایک سُر تال پیدا ہوا کرتا تھا۔ وہ محظوظ ہوا کرتا تھا اور داد عیش دینے کے اُسی عشق کی وجہ سے کشمیریوں نے اُسے کرپہ شُرین کا نِک نیم (Nick name) دیا تھا۔ اس بات سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ کشمیری نِک نیم رکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ لارنس مشہور مورخ (کشمیر ویلی) کرپا رام کے بارے میں یوں استہزا کرتے ہیں:

He was fond of boating and boatwoman.....

He was nick named as Kripa Shran, sound of a Chapu.

سکھوں کی سکھا شاہی سن ۱۸۴۶ء میں بیعنامہ امرتسر پر ختم ہوگئی جب ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک فوجی سپہ سالار تھا، کشمیر کو پچھتر لاکھ روپیہ کے عوض خرید لیا۔ تاریخ کا یہ کتنا بڑا المیہ تھا۔ شاید ہی دنیا میں کہیں اور ایسی مثال موجود ہو کہ ایک ملک کو جس کی سرحدیں چین، افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا کی کئی ریاستوں کے ساتھ ملتی ہیں کو منقولہ، غیر منقولہ جائیداد اور انسانوں، جانوروں بلکہ چرند و پرند کے ساتھ کوڑیوں کے دام بیچا اور خریدا گیا ہو۔ گلاب سنگھ نے اپنا خرچ کیا ہوا روپیہ یعنی کشمیر کا زر خرید اگلوانے کے لیے رعایا پر کمر توڑ ٹیکس عاید کر دیئے اور تو اور چٹائی بُننے کی خود رو گھاس پٹیرا (پیڑ) پر بھی ٹیکس لگایا گیا۔ اُس کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ، پرتاپ سنگھ اور پھر ہری سنگھ نے حکومت کی اور آخری بادشاہ کرن سنگھ نے تخت کے دور سے ہی درشن کئے۔ مگر اُس پر بیٹھنا اور رسم تاج پوشی ادا کرنا اُس کے قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ ڈوگرہ راجوں کی حکومت میں کشمیری پنڈتوں کی پانچوں گھی میں تھیں بلکہ سکھوں کی دور حکومت میں بھی وہی پیش پیش تھے۔ بیربل درخود جا کر سکھوں کو کشمیر پر چڑھا لایا تھا اور فتح و قبضہ کی یقینی صورت کے لیے اپنے بیٹے راج کاک درکو رنجیت سنگھ کے پاس یرغمال رکھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا۔ بہرحال وہ ہر ایک سفید و سیاہ کے مالک تھے۔ حکومت کی کارپردازی میں چپراسی سے لے کر وزیراعظم تک کشمیری پنڈت ہی براجمان تھے مگر اُس کے باوجود بھی انہوں نے ''بریڈ موومنٹ'' نامی ایک ایجی ٹیشن شروع کردی جس میں اُن کا مطالبہ تھا کہ اُن کو حکومت میں صحیح صحیح نمائندگی دی جائے جب کہ صورت حال یہ تھی کہ مسلمان اُس وقت کوئی سرکاری افسر تھا نہ کسی کھاتے میں تھا۔ ایک آفیسر تھا وہ بھی حکومت پنجاب سے ڈیپوٹیشن پر تھا۔ حقیقت میں اصل معاملہ یوں تھا کہ اُن دنوں لوگوں کی حالت زار کو دیکھ کر ایک کمیشن نے مسلمانوں کے حق میں کچھ سفارشات کیں جو کشمیری پنڈتوں کو ناگوار گذری۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو کوئی راحت ملے۔ تعلیمی لحاظ سے دیکھیں تو اُس وقت صرف وادی میں مسلمانوں کی آبادی آٹھ لاکھ تھی جب کہ مشکل سے اُن کے دو سو بچے سکولوں میں زیر تعلیم تھے۔

کشمیری مسلمان نے تھوڑی سی ہمت جٹا کر زالڈگر کے مقام پر ایک احتجاجی جلسہ کیا جس کو مہاراجہ کی گھوڑ سوار فوج نے گھوڑوں کی سموں سے روند ڈالا۔ دوسری بار استحصال اور ظلم و جبر کے خلاف پھر جہاد کا اعلان ہوا تو لوگ گھروں سے سالن تلنے کی کڑچھیاں اور کف گیر، آگ انگارے اٹھانے والے آتش گیر، مچھلیاں مارنے کے کام میں آنے والے برچھے (نارژو) لے کر خانیار میں جمع ہوئے اور اجتماع کا نام ''نارژو پلٹن'' دیا گیا۔ واہ رہی سادگی ـــــــــ ع

لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اُس پلٹن کو مہاراجہ کے سپاہیوں نے صرف دو منٹ میں تتر بتر کردیا۔ اُس کے فوراً بعد پریم ناتھ کنا نامی ایک کشمیری پنڈت نے بحیثیت صلاح کار حکومت ''شیر بکرا'' کا فتنہ وضع کر کے مسلمانوں کو آپس میں دست و گریباں کردیا جو سلسلہ آج سے چند برس قبل تک جاری تھا۔ سن ۱۹۳۱ء میں سینٹرل جیل میں محبوس حریت قائدین کا مقدمہ سننے کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لیے گئے بے ضرر اور پُر امن لوگوں پر اتیاچار ہوا۔ بغیر کسی اشتعال کے فائر کھول دیا گیا اور کئی لوگوں کو گولیوں سے بھون کر رکھ دیا گیا۔ جس پر لوگ جب دہشت زدہ ہو کر گھبراتے، ہانپتے، بھاگتے بہوری کدل زینہ کدل سے گذرنے لگے تو کشمیری پنڈت دوکاندار دوکانوں پر کھڑے ہو کر تالیاں پیٹنے لگے اور چلانے لگے "آئے حقوق اور آزادی لے کر"۔ اُس پر کچھ مظلوموں کو غصہ آیا اور انہوں نے چند دوکانوں کا سامان تہس نہس کر دیا۔ اُسے لوٹ کا نام دے کر اس غلام پر اور بھی سختیاں ہوئیں مگر وہ تب بھی آزاد نہیں ہوا پھر بھی غلام ہی رہا۔ اُس موقعہ پر ہندوستان کے مسلم دشمن ملاپ جیسے اخباروں نے مطالبہ حقوق اور آزادی کی دہائی کو "غلاموں کی شورش"، جیسی سرخیوں سے اُچھالا۔ ایک انگریز رابرٹ تھارپ نے اس ستم زدہ کی بپتا اور حالت زار دیکھ کر اُس کی کچھ مدد کرنا چاہی مگر مہاراجہ نے ایک سازش کے تحت اُسے بھی قتل کرواڈالا۔ رابرٹ تھارپ کی قبر آج بھی شیخ باغ میں میلنسن گرلز ہائی سکول کے سامنے عیسائی قبرستان میں بزبان حال اپنی داستان آپ سنا رہی ہے۔ کشمیری مسلمان پر سختیاں برابر جاری رہیں بلکہ بڑھ گئیں جس میں ایک دیہاتی کی زندگی زیادہ ہی اجیرن بنادی گئی۔ شہری باشندے کی قیمت اگر دو روپیہ تھی تو بیگار پر سنگلاخ یخ زاروں میں گیری سن کے لیے راشن لے جانے والے اور زندہ بچ جانے والے کی صرف ایک کُتا تھی۔ بیگار پر گئے برف زاروں میں فقط گھاس کے چپل پہن کر چلنے والا دیہاتی اگر بچ بھی جاتا تو مہاراجہ کے ڈوگرہ سپاہی اسکردو، گلگت میں اُسے ایک بے قیمت غلام کی طرح ایک چینی کُتے کے عوض فروخت کر دیتے تھے۔

نئی تعلیم اور نئی سوچ کے ساتھ اس مظلوم کے کچھ اپنے لوگ، کچھ ہمدرد میدان سیاست میں کود پڑے۔ اُن میں سے جو مخلص اور ہمدرد تھے اُن کو دوسرے اپنوں نے ریاست بدر کر دیا جب کہ کچھ اپنوں نے غمگساری اور ہمدردی کی آڑ میں اس غلام کو ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

غلامی سے نکال کر دوسری غلامی میں دے دیا۔ اُس غلام کی تقدیر بلاشبہ نہیں بدلی البتہ قید خانہ یا قید خانے کا داروغہ ضرور بدل گیا۔ یہ صدیوں کا درماندہ آج بھی اُسی حال میں ہے گرچہ معاشی اعتبار سے اس میں تبدیلی آگئی یہ کافی خوش حال ہوگیا ہے۔ سونے کی زنجیر گلے میں ڈال کر یہ خود کفیل اور آسودہ حال تو ہوگیا ہے لیکن روزنِ زنداں سے آنے والی روشنی غلامی کے بحرِ ظلمات کو منور کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ کیونکہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ آزادی کی صرف ایک سانس غلامی کی پوری زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔

آج پھر اُس کے اپنے اُس کو ذلیل کرتے اور کراتے ہیں۔ غیروں کو اُس پر مسلط کر کے اُسے ہر صورت میں کنگال کر رہے ہیں۔ آج فلسطین، عراق، سوڈان، تھائی لینڈ، البانیہ، افغانستان وغیرہ ملکوں کی طرح کشمیری مسلمان ٹوٹ کر بکھر چکا ہے۔ وہ صرف وادی میں ہی محصور ہو کے رہ گیا ہے۔ وادی سے باہر نکلتے ہی اُسے رسوا کیا جاتا ہے، مختلف بہانوں سے ستایا جاتا ہے اور کالے قانون نافذ کر کے اُسے پابہ جولاں کیا جاتا ہے۔ دہشت گرد اور اگروادی نام دیا جاتا ہے دھماکہ جھارکھنڈ میں ہو جائے دہلی میں مقیم کشمیری مسلمان پکڑا جاتا ہے۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کہیں پر بھی کچھ ہو جائے تو ریڈیو ٹی وی سے پہلی خبر یہی آتی ہے کہ واردات میں کشمیری دہشت گردوں کا ہاتھ ہونا خارج از امکان نہیں۔ پھر وہ واردات پروہت اور سادھوی جیسے ہندو کٹر پنتھی کیوں نہ کریں مگر کشمیری کا ملوث ہونا حتمی طور پر مان لیا جاتا ہے۔ وادی میں بھی اُس کا جینا حرام کر دیا گیا ہے۔ مختلف بہانوں سے پکڑ دھکڑ کر کے، قتل کر کے ایک منصوبہ بند نسل کشی جاری ہے۔ اُسے کبھی جلسے جلوسوں میں مارا جاتا ہے، کبھی فرضی جھڑپوں میں قتل کیا جاتا ہے اور کبھی تو اُس کی باقیات بھی نہیں ملتیں۔ لگتا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب کشمیری مسلمان اپنی شناخت ہی کھو دے گا اور پھر ——

اُس کی داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں نہ مایوس ہوا ہوں اور نہ قنوطیت کا مریض ہوں۔ مگر ریاستی حالات خصوصاً مسلمانوں کی پوزیشن، چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا قتل، سیاحتی سیزن کا درہم برہم ہونا اور نظام تعلیم کا جنازہ نکلنا سب کی نظروں کے سامنے ہے اور موجودہ حالات اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اگر کوئی سچائی کو تسلیم نہ کرے تو اُس کا کیا علاج۔ اپنی شناخت مٹانے کے صرف اغیار ہی ذمہ دار نہیں بلکہ زیادہ تر ہم خود ہی قصوروار ہیں۔ کیونکہ قابض افواج کے لیے مخبری کرنے والا خبری، رنبیر پینل کو ڈکورسوا کرنے والا قانون بردار، دفتروں میں کام کرنے والا رشوت خور کارکن، نقلی ادویات بیچنے والا دوافروش، ڈرگ اور چرس سمگلنگ کرنے والا خونی، جنگل صاف کرنے والا چور، پُل بنانے والا انجینئر اور بلڈنگ بنانے والا ٹھیکیدار، طرح طرح کے استحصال کرنے والا ظالم، اشیائے خوردنی بیچنے والا اور ملاوٹ کرنے والا تاجر وغیرہ وغیرہ کسی دوسری ریاست سے نہیں آتا ایک ٹھیٹ کشمیری ہی ہوتا ہے۔ اور یہ کشمیری اپنے ہی کشمیری کو ٹھگتا ہے۔ یہ کشمیری اپنے ہی کشمیر مادر وطن کو لوٹتا ہے۔ پھر تو میرے خیال سے دوا کر راہیؔ سے اتفاق کرنے کے بنا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ کہتے ہیں ؎

چمن والو اگر طرز عمل اپنا نہ بدلو گے
چمن بدنام بھی ہوگا چمن ویران بھی ہوگا

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

راکھ کا ڈھیر

جو دیکھتا رہا جسموں کی فصل کٹتے ہوئے
وہ اپنے سینے میں دل بھی جگر بھی رکھتا تھا
(قمر سنبھلی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

راکھ کا ڈھیر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

احمد آباد سول ہسپتال میں خیر سگالی دورے پر گئے وفد کے سامنے وہ کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اُس کے بولنے کی ساری قوتیں سلب ہو چکی تھیں اور زبان گنگ تھی۔ متعصب شیطانوں، خونی دیوانوں، بے لگام حیوانوں، انسانیت کے معتبر مقام سے گرے ہوئے قاتل لٹیروں اور حکومتی بڑھوتری میں چُور جنونیوں کے ستم و مظالم کی، ہندو تہذیب و ثقافت، تمدن و دھرم پر گندگی پوتنے والوں کی روح سوز داستانیں اُس کی آنکھوں کے سامنے رقصاں تھیں مگر صابرہ بانو نامی اُس خاتون میں کتنی متانت، سنجیدگی اور صبر کی چھاپ تھی وہ اُس پر ایک نظر ڈالنے سے ہی پتہ چل جاتا تھا۔ ایک ایسا صبر جو آسمانوں میں انقلاب لاتا ہے۔ ایک ایسا صبر جو زمینوں کو ہلا کے رکھ دیتا ہے اور لوگوں کو بے چین کر دیتا ہے۔ وہ نہ باولی تھی نہ اُس کا دماغ اُن روح فرسا واقعات سے چل گیا تھا بلکہ وہ اپنے رب کے فرمان کے مطابق ''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اپنی آنکھوں میں ایک صبر و انتظار کی دنیا بسائے اُس دن کے انتظار میں تھی جب عالمین کا رب اپنے وعدے کے مطابق ''حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار بدعملی کی سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں''۔ اُن جنگلی وحشیوں اور بے لگام بھیڑیوں پر اپنا قہر برسانے والا تھا، صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے والا تھا جب کہ اُس کی نشانیاں زبردست بھونچال کے روپ میں ایک سال قبل اُسی پرانت میں اُن کو دکھا چکا تھا، مگر وہ سنبھلے نہیں، باز نہیں آئے، اپنا وحشیانہ طرز عمل چھوڑا نہیں بلکہ آفات سماوی پر کوئی توجہ نہ کی، اُس کے برعکس پوری درندگی کا مظاہرہ کرنے پر اُتارو ہو گئے۔ پورے وحشیانہ پن اور خباثت سے لیس ہو گئے۔ اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں جب ایک دردناک عذاب اور رسوائی اُن کو صفحہ ہستی سے مٹا کر کر دکھ دے گی اور یہ ذلالت و رسوائی اُن کے لیے مقدر بن چکی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صابرہ بانو نے بہت اصرار کے بعد اپنے قویٰ کو مجتمع کیا، اپنی ٹیس کو دبایا، اپنے زخموں کو چھپایا، اپنے آنسوؤں کو پی ڈالا، اپنے درد کو سنبھالا اور بڑی سنجیدگی اور رک رک کر ٹوٹے الفاظ میں اپنی روداد، اپنی آشفتہ بیانی اور خستہ حالی اپنے رستے ناسوروں کی داستان سنانے لگی۔

''شہر میں افواہیں ہر طرف گشت کر رہی تھیں کہ مسلمانوں پر بُرا وقت آنے والا ہے۔ اُن پر خطرہ منڈلا رہا ہے مگر میری پھوپھی عابدہ بانو کے سمجھانے پر کہ یہ وقتی دیوانگی ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ لوگ بھاگ ایسے ہی بے پر کی اڑاتے پھرتے ہیں کچھ نہیں ہوگا، پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے''۔ میں نے تشویش چھوڑ دی اور اپنے گھریلو کام دھندوں میں مصروف ہوگئی۔ مگر اُس دن یعنی ۲۸ فروری کو میں نے اپنے دونوں بیٹوں سات سالہ وسیم اور چار سالہ سلیم کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی۔ میری بھابی نے بھی اپنی بیٹی نغمہ کو گھر میں مقید رکھا۔ گرچہ بچوں نے باہر جانے کی ضد کی مگر ہم نے اُن کی ایک بھی نہ سُنی۔ میں اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتی تھی جہاں میری اور چار بہنیں اور تین بھائی بھی رہتے تھے۔ میرا شوہر عبدالعزیز اور تین بھائی درزی کا کام کرتے تھے۔ اُس دن بھی وہ حسبِ معمول کام پر گئے تھے، شام کے کوئی ساڑھے چھ بجے تقریباً پندرہ ہزار لوگوں پر مشتمل ایک ہجوم نے ہماری بستی نروڈا پاٹیا پر دھاوا بول دیا۔ اُن کے ہاتھوں میں پٹرول سے بھرے بڑے بڑے کنستر تھے، بالٹیاں اور جلتی ہوئی مشعلیں تھیں۔ اُن کے چہروں سے حیوانیت اور خونخواری ٹپک رہی تھی۔ دھاوا بولنے کے چند منٹوں کے اندر اندر ہی انہوں نے ہمارا سب مال و اسباب بشمول اناج، کپڑے، پیسے اور جو تھوڑے بہت زیورات ہمارے پاس تھے، ہم سے چھین لیے، ایسا بڑے آرام اور منصوبہ بند طریقے سے کیا گیا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ ایک منصوبہ بند سازش تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھوکے بھیڑیوں نے جب ہمارا سب کچھ چھین لیا، جب ہر گھر میں جا کر مستورات کی آبروریزی کی اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے اُن کے حملوں (گربھوں) کو نیزوں پر اُچھالا تو پھر انہوں نے ہم پر پٹرول چھڑک کر ہمیں زندہ جلانا شروع کیا۔ میرا شوہر دونوں بچوں کو لے کر ایک طرف کو بھاگا مگر اُن تینوں کو جانے نہیں دیا گیا۔ پکڑ کر زندہ جلا دیا گیا۔ میں بھی اس افراتفری میں ایک طرف کو بھاگنے لگی مگر جدھر سے بھی میں نے بھاگنے کی کوشش کی، میں نے بھیڑ کو ہر طرف گھیرا ڈالے دیکھا۔ اُن کے چہروں پر پوری خباثت اور شیطنت رقصاں تھی۔ انہوں نے دیگر مظالم کے ساتھ ساتھ سینکڑوں لوگوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور چند ثانیوں کے بعد وہاں کچھ بھی نہ تھا فقط راکھ کے ڈھیر تھے۔ ہم سے کئی لوگ شاہراہ کی جانب بھی بھاگے تھے تاکہ وہاں موجود پولیس پارٹی سے کچھ مدد حاصل کی جائے مگر اس کے برعکس پولیس نے تمام ساتھ والے بچوں پر گولیاں برسائیں جن میں سے کچھ تو موقعے پر ہی شہید ہو گئے۔ زخمی ہسپتالوں میں موت وحیات کے بیچ لٹک رہے ہیں۔ زندہ بچ بھی گئے تو کیا ہوگا اُن کو تو بہرحال مرنا ہے وحشی منہ کھولے اُن کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اُن کو زندہ کہاں رہنے دیا جائے گا کیونکہ ایک تو وہ مسلمان بچے ہیں دوسرے وہ ہر ایک ظلم وجبر کے چشم دید گواہ ہیں کیا درندے اپنی درندگی کا کوئی ثبوت چھوڑنے کے لیے تیار ہوں گے۔

مجھے اتنا یاد ہے کہ مجھ پر تیل چھڑک کر ساتھ میں ہی ایک جلتی ہوئی مشعل اُچھالی گئی۔ جلتے ہوئے بدن کی وہ کربناک صورت حال میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ہسپتال میں پایا۔ میرے کسی ہمسائے نے عین وقت پر مجھے پورا جلنے سے بچایا تھا۔ میرے ہاتھ، بازو، سینے کا اوپر والا حصہ جل چکا ہے۔ میری پہچان میں سے بچے ہوئے لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے والدین، میری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہنیں، اُن کے شوہر اور تینوں بھائیوں کو اہنسا پرمو دھرما کے پجاریوں نے زندہ جلا ڈالا۔ اب اس دنیا میں، میں اکیلی ہوں۔ ماں باپ، بہن بھائی، شوہر بچے، بھابی پھوپھی سب کو سابرمتی کے سنت کے بھگتوں نے دھوکے سے مارا، زندہ جلا ڈالا۔ دو دو ہاتھ ہم سے کر کے اگر وہ ہم پر غالب آتے تو دُکھ کی کوئی بات ہی نہیں تھی مگر اُن مردار خور لومڑیوں کی اتنی جرأت کہاں چنگاری بھی ہاتھ میں لگے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے اُس کے مقابلے میں ایک زندہ جیتے جاگتے انسان پر تیل چھڑک کر آگ لگا دینا کتنا کربناک ہوتا ہے۔ جس تن لاگے سوتن جانے قیامت بپا ہوتی ہے جناب ——— قیامت ——— یہ میں ہی جانتی ہوں کہ میں کن حالات، کن تکلیف دہ کرب و بلا کے حالات سے گذر رہی ہوں۔ اُو خدایا مجھے دُکھ جھیلنے کے لیے زندہ کیوں رکھا۔ میں بے یار و مددگار ——— اکیلی جان کہاں رہوں، کہاں جاؤں، کیا کروں ——— کچھ سمجھ میں نہیں آتا ———

اتنا کہہ کر اُس کے آنسوؤں کے باندھ ٹوٹ گئے اور اُس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسوؤں کی دھارائیں بہہ نکلی جن میں اُس کے تمام ارمان، آرزویں اور خواہشیں خس و خاشاک کی طرح بہہ رہی تھیں اور میں ہسپتال کی کھڑکی سے باہر دور خلاؤں میں سرخ انگارہ ہوتے ہوئے بادلوں کے پرے اُس تباہی و بربادی اور ہولناکی کو تصور میں لا رہا تھا جو ایک دن گجرات کے قاتلوں کا مقدر بننے والی ہے۔

(انگریزی اخبار: ''ٹائمز آف انڈیا'' سے اخذ)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دو بھائی دو انسان

درِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں
(میر دردؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دو بھائی دو انسان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رب العالمین مالک ارض وسماء نے انسانوں کی تخلیق ہی نہیں کی ہے بلکہ اُس کے نافذ کردہ قانون پر چلنے والوں، اُس کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہنے والوں کو ایک دوسرے کا بھائی بھی بنایا ہے۔ جیسے ہم آخری آسمانی کتاب مقدس میں پڑھتے ہیں "ان المومنون اخوۃ" گویا ہم سے دور تاریک براعظم میں رہنے والا مونگنبو حسن، دنیا کی دوسری طرف لداخ میں رہنے والے ابرار تاشی، عربیہ میں رہنے والا عبدالرحمٰن الراجی اور سائبیریا میں رہنے والا ولادیمر احمدوف اور وادیٔ کشمیر میں رہنے والا غلام محمد ایک دوسرے کے دینی بھائی ہیں ——— بھائی بھائی ہیں گرچہ وہ ایک ہی خطے، جگہ یا ملک میں نہیں رہتے ہیں۔ یہ بھائی محلہ لیول پر پانچ نمازوں پر ملتے ہیں، بستی لیول پر جمعہ کو ملتے ہیں، ڈسٹرکٹ لیول پر عیدین کو ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی خیر خبر لیتے ہیں۔ اور بین الاقوامی سطح پر حج کے دوران ملتے ہیں۔ اور ملکی معاملات سیاسی پیش رفت، باہمی یا مشترکہ دلچسپی کے مسائل پر تبصرہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں حالات و واقعات کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس طرح سے ایک عالمی بھائی چارہ کا تصور پنپ سکتا ہے اور مقدس صحیفے کا فرمان کا مقصد بھی یقیناً یہی ہے۔ مگر کیا واقعی ایسا ہی ہوتا ہے وہ غور طلب مسئلہ ہے۔

شب و روز کے مشاہدے میں یہی آتا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا رنگ سفید ہو چکا ہے۔ دینی بھائی تو دور کی بات ہے اپنے ماں جائی ہمشیر بھائی دوسرے کمزور بھائی کا گلا کُند اور زنگ آلود چھری سے کاٹ ڈالتا ہے اور کوئی رحم نہیں کرتا ——— ذرا سا بھی نہیں۔ وہ غور کرتے اور سوچتے کہ ہم ایک ہی گود میں پلے ہیں، ایک سایہ پدری میں پروان چڑھے ہیں۔ آج کل میں، ہم یا ہماری بات کی لاج ہے دوسرا بھائی بھاڑ میں جائے میری بھلا سے۔ خونی رشتہ مفقود ہو چکا ہے۔ فقط چاہ اور اپنی ذات میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پل رہی ہے، لالچ کا بول بالا ہے، خود غرضی کا راج ہے۔ ہمدردی، شفقت، مروت اور دردمندی کے زمانے لد گئے ہیں۔

تاریخ کے جھروکے میں سے جھانک کر ایک واقعہ سناتا ہوں۔ آپ خود اندازہ کریں کہ غیروں میں نہ یہ جذبہ مفقود ہوا ہے اور نہ اُس وقت ہوا تھا جس زمانے سے متعلق یہ واقعہ ہے۔

عمومی یا خصوصی حالات میں جب ایک شخص قتل کرتا ہے تو کسی ملک میں اُس ملک کے قانون کے تحت اُسے عمر قید کی سزا دی جاتی ہے جب کہ کسی ملک میں اُسے پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے، موت کی کُرسی پر بٹھایا جاتا ہے یا گیس چیمبر میں جھونکا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک سپاہی سرحد پر حفاظت کے دوران یا محاذ جنگ پر لڑتے ہوئے کئی لوگوں کو قتل کرتا ہے مگر نہ اُس پر حد نافذ ہوتی ہے اور نہ ہی وہ قانون کی گرفت میں آجاتا ہے۔ اُس کی وردی نہ صرف وطن کی حفاظت کے لیے ایک عہدنامہ یا اجازت نامہ ہے بلکہ دشمن کے جدال وقتال کے لیے ایک لائسنس بھی ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ گولیاں برساتے، قتال کرکے، لاشوں کے اوپر سے پھلانگتے ایک سپاہی کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے اور اُس میں رحم و ہمدردی اور بھائی چارے کا جذبہ مر جاتا ہے مگر ایسا درست نہیں ہے کیونکہ ایک سپاہی ——— سپاہی بعد میں ہوتا ہے پہلے وہ ایک انسان ہوتا ہے اور انسانوں میں رحم و ہمدردی، پیار و شفقت، ایثار و قربانی کے ساتھ ساتھ بھائی بندی اور درد کا رشتہ بھی مشترک ہوتا ہے۔ اسی لیے دانشور کہہ گئے ہیں کہ

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

جنگ عظیم دوم اپنے شباب پر تھی۔ نارمنڈی کے مورچہ پر اتحادیوں اور جرمنوں کے درمیان تاریخ کی خوفناک ترین جنگ ہو رہی تھی۔ ہسپتال زخمیوں سے بھرے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئے تھے۔ ہر طرف لاشیں بکھری پڑی اور سڑ رہی تھیں۔ طرفین کے ہوائی جہاز بے پناہ اور متواتر حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف دھماکے ہو رہے تھے اور موت سستی ہو گئی تھی۔ ایک افراتفری اور مار دھاڑ کا ماحول تھا جس میں انسانی عقلیں ماؤف ہو چکی تھیں۔

اتحادیوں نے نارمنڈی کے ایک گاؤں میں جو چاروں طرف درختوں سے گھرا ہوا تھا ایک محفوظ جگہ پر فوجی ہسپتال قائم کیا ہوا تھا۔ پورے محاذ پر یہ واحد ہسپتال تھا جہاں مکمل علاج دستیاب تھا اس لیے زخمیوں کی زندگی واپس لانے کی کوشش اسی جگہ پر کی جا رہی تھی۔ ہسپتال کا انچارج ڈاکٹر جارج تھا۔ وہ اور اُس کا عملہ مسلسل راتوں کو جاگ کر زخمی سپاہیوں کو بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ڈاکٹر تھکن کی باعث کئی مرتبہ بے ہوش ہو چکا تھا اور جب اُسے تھوڑا سا آرام کرنے کا مشورہ دیا جاتا تو وہ اُس بات کو اپنے ملک کے ساتھ غداری تصور کرتا۔ اُس کا جذبہ جہاد اور کام کی لگن دیکھ کر اُس کا عملہ بھی ہر وقت چاک و چوبند اور مستعد رہنے کی کوشش کرتا۔ گرچہ تھکن اور مسلسل جاگنے کے سبب سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ چکے تھے مگر بہر حال جذبہ خیر اُن میں مکمل طور سے موجود تھا۔

۱۲ر جون ۱۹۴۴ء کو ہسپتال کے اندر فضا میں زخمیوں کی چیخ و پکار گونج رہی تھی اور ہسپتال کے باہر زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ ہسپتال کا عملہ حیران ہو رہا تھا کہ محفوظ جگہ پر وہ بھی ہسپتال کے قریب فائرنگ کیوں ہو رہی ہے۔ ہسپتال کے باہر جن سپاہیوں کا پہرہ تھا دراصل وہ آنے والی گولیوں کا جواب دے رہے تھے جو بلا مقصد اِدھر اُدھر سے آ رہی تھیں، کوئی بھی گولی کسی ہدف کی جانب نہیں چلائی جا رہی تھی۔ اچانک فائرنگ رُک گئی اور درختوں کے جھنڈ کے بیچ سے ایک سفید جھنڈا لہرایا جس کو دیکھ کر اتحادی سپاہی حیران رہ گئے کیونکہ جھنڈا کسی کپڑے سے نہیں بلکہ ایک نسوانی قمیض سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بنایا گیا تھا۔ اتحادی سپاہی جب اُس کے قریب گئے تو انہوں نے ایک جرمن فوجی افسر کو ایک نیم بے ہوش عورت کے قریب مشین گن لئے بیٹھے دیکھا۔ سپاہیوں کو دیکھتے ہی وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں چیخا "یہ میری بیوی ہے، یہ حاملہ ہے۔ اس کے بچہ ہونے والا ہے۔ یہ جرمن عورت نہیں ہے۔ میں نے اس کے ساتھ فرانس میں شادی کی تھی۔ خدا کے لیے اس کو مارنا نہیں۔ مجھے بے شک مارنا مگر جب ہی گولی مارنا جب میں اپنے بچے کو دیکھ لوں"۔

جرمن افسر کی درد بھری التجا سُن کر اور بے ہوش عورت کو دیکھ کر اتحادی سپاہیوں کا دل بھر آیا اور کئی سپاہی رو پڑے۔ ڈاکٹر جارج کی نوٹس میں سارا معاملہ لایا گیا۔ وہ اپنی ساری تھکن کو بھول کر اُس عورت کی طرف متوجہ ہوا جس کی حالت بہت نازک تھی۔ بے ہوشی کے باوجود عورت چلا رہی تھی کیونکہ بچے کی پیدائش کا وقت قریب آرہا تھا۔ کچھ وقفے کے بعد ماحول میں ایک نومولود کی آواز ایک ملکوتی نغمے کی طرح پھیل گئی۔ یہ آواز ایک ایسے ذی روح کی تھی جس کو کسی سے نفرت نہیں تھی، بغض و عداوت یا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ جس کا کوئی وطن، کوئی ملک اور کوئی مذہب نہیں تھا۔ جو دشمن تھا نہ دوست، جو فوجی تھا نہ سیاست دان اور جس کے ہاتھ میں انسان کو مارنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

بچے کی آواز سنتے ہی سبھی مسکرانے لگے۔ وقتی طور پر سب بھول گئے کہ وہ کیا ہیں اور کس مقصد سے اُس جگہ تعینات ہیں۔ مگر نازی افسر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس نے نومولود کے ماتھے پر ایک بوسہ دیا اور اتحادی سپاہیوں کی طرف نظریں اٹھا کر اُنہیں گولی مار دینے کے لیے کہا۔ لیکن اتحادی سپاہیوں کے ہاتھ جیسے سُن ہو گئے انہوں نے اُسے گولی نہیں ماری بلکہ ایک اتحادی افسر نے آگے بڑھ کر اُسے کہا:

"تم اگر چاہو تو بچے کی ماں کو ساتھ لے کر جا سکتے ہو کیونکہ اس وقت ہم دونوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دشمن نہیں بلکہ دوست اور بھائی بھائی ہیں۔ ہم مذہب ہیں اور سب سے بڑھ کر انسان ہیں اور میدان جنگ میں نہیں ہیں۔ ہماری طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی بلاخوف وتردد جاسکتے ہو"۔

جرمن آفیسر جلدی میں اپنی بیوی کو اُس حالت میں لے جانے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ تقریباً پندرہ دن کے بعد جب عورت کی حالت کچھ بہتر ہوگئی تو اتحادی سپاہیوں نے بچے کو اپنے والدین کے ساتھ رخصت کیا۔ اُسے جنگی قیدی بھی نہیں بنایا گیا کیونکہ امن کے فرشتے نے وقتی طور ہی سہی بھائی کو بھائی سے ملا کر جنگ کی ہولناکیوں کا تصور بھُلا دیا تھا۔ اُسے رخصت کرتے وقت وہ صرف دو بھائی تھے ——— اور دو انسان تھے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تماشائے اہلِ کرم

دیکھتا ہوں تو نہیں رحم کے قابل کوئی
سوچتا ہوں تو ہزاروں پہ ترس آتا ہے
(عبید اعظم اعظمیؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تماشائے اہلِ کرم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سن ۱۹۸۴ء میرا تبادلہ پھر سے جموں ہوگیا۔ اُس وقت جانا نہیں چاہتا تھا مگر نوکری چاکری مجبوری تھی جانا پڑا۔ ستمبر کے مہینے میں ایک دن محلہ اُستاد کی جامع مسجد کے قریب میں نے ایک نوجوان انگریز جوڑے کو دیکھا جن کے پیچھے بچوں کی ایک ٹولی لگی ہوئی ہوٹنگ کرتی آرہی تھی۔ وہ حیران ہورہے تھے اور سمجھ نہیں پارہے تھے کہ بچے کیا کہہ رہے ہیں یا وہ کیا چاہ رہے ہیں۔ اتنے لوگ آجارہے ہیں مگر وہ اُن کے ہی پیچھے کیوں لگے ہیں یا انہیں پاگل یا کوئی عجوبہ سمجھا جارہا تھا۔ میں اُس جوڑے کی پریشانی کو بھانپ گیا۔ میں نے بچوں کو سمجھا بجھا کر بھگا دیا۔ سیاحوں نے میری طرف متشکرانہ نظروں سے دیکھ کر انہی خیالات کا اظہار کیا جن کا میں نے اندازہ لگالیا تھا۔ دل ہی دل میں مجھے ہنسی بھی آرہی تھی کیونکہ مجھے کشمیر کے اُن بچوں پر رحم آرہا تھا جو آج سے لگ بھگ چالیس سال قبل تک کسی انگریز عورت (یا مرد) کو دیکھ کر اُس کے پیچھے پیچھے دور تک چلے جایا کرتے تھے اور کورس میں کہتے جاتے تھے:

''میم صاحب سلام پتہ پتہ غلام''

ہمارے محلے سے بنڈ کی طرف ڈلگیٹ کی طرف جانے والے بدیشی لوگوں کے ساتھ اکثر ایسا معاملہ پیش آتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ دہائی کا متن اور اُس کے پیچھے کارفرما جذبہ یا ذہنیت کو نہیں سمجھ پاتے تھے اس لیے وہ فقط مسکرا کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر آگے بڑھ جاتے تھے اور بچوں کو بھلا یہ احساس ہی کیونکر ہوسکتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پتہ نہیں بچپن میں ـــــــ میں نے بھی ایسا کتنی بار کیا ہوگا۔

دراصل ایسی ہی غلامانہ ذہنیت ہم کو دی گئی تھی۔ ہم میں استحصال (Suppression) اختراع اور ڈیولپ کیا گیا تھا۔ کافی عرصہ تک ہم نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ہم کیا ہیں، ہمارے حقوق کیا ہیں، ہماری حیثیت کیا ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے اور ہمیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کس طرح سماجی انصاف اور طبقاتی نابرابری کے خلاف کمر بستہ ہونا چاہیے۔ ڈوگرہ مہاراجوں نے کشمیری پنڈت کی وساطت سے کشمیری مسلمان کو اس حد تک پاؤں کے نیچے دبا کر رکھا تھا اور ذہنی طور مفلوج کر رکھا تھا کہ وہ بہت دیر تک بلکہ یوں کہنا درست ہوگا آج تک اُس پسماندگی کے جوئے سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ وہ پسماندگی جو اُس کے ذہن میں نہیں، سماج میں تھی، جو اُس کے شریر میں نہیں ماحول میں تھی اور جو جان بوجھ کر اُس کے اندر ڈال دی گئی تھی تخلیق کی گئی تھی۔ وہ کُند ذہن یا پیدائشی پسماندہ نہیں تھا مگر تعلیمی میدان میں اغیار کے سدراہ بننے سے اور معاشی طور اُسے کمزور رکھنے سے اُس کی صلاحیتیں بروئے کار نہ آسکیں۔ کشمیری پنڈت جو حکومت میں بھی تھا اور دفتر کا حاکم بھی تھا، مہاراجوں کا ہم مذہب اور حاشیہ بردار بھی تھا، مسلمانوں کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتا تھا، اُسے ہمیشہ غلام ہی سمجھتا رہتا تھا اور اُس کی پسماندگی سے اپنی حاکمیت برقرار رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں بھنگی بہشتی سے لے کر راعی تک اور سائیس حمال سے لے کر بقال تک سارا سروس کلاس، ساری خدمت گار جماعت ہی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

بہر حال میں انگریز جوڑے کا ذکر کر رہا تھا ——— انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ہوٹنگ کی وجہ وچھی جس کا میں نے مناسب الفاظ میں جواب دے دیا۔ میں نے اُن کو اپنے کوارٹر پر جو نزدیک ہی تھا، چائے کی دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کرلی۔ اُن دونوں نے دودھ چینی کے بغیر چائے کی کئی پیالیاں نوش کی اور بہت دیر تک میرے ساتھ مصروف گفتگو رہے۔ بعد میں باتوں کے دوران مجھے پتہ چلا کہ وہ انگریز نہیں بلکہ امریکن تھے۔ لڑکے کا نام جان اور لڑکی کا نام کیرین تھا۔ دونوں میاں بیوی تھے اور ہوٹلوں میں گٹار بجا کر اپنی ضروریات پوری کر لیتے تھے، اور اُن کا جموں آنا بھی اُسی سلسلے میں تھا۔ اُس سے قبل وہ ہندوستان کے کئی شہروں میں اپنے فن کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مظاہرہ کر چکے تھے۔

دورانِ گفتگو اور باتوں کے علاوہ میں نے اُن سے ملاوٹ کے بارے میں سوال کیا۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہمارے خیال سے ہمارے ہاں ایسا کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں یا ادویات میں ملاوٹ اول تو کوئی کرتا ہی نہیں اور بالفرض اگر کوئی کرتا بھی ہے تو مجرم کو حکومت کے اہلکار قانون کے دائرے میں لانے سے قبل لوگ خود ہی اُسے چیر پھاڑ کر اُس کی ساری سمپتی کو خاک کر چکے ہوتے ہیں کیونکہ ملاوٹ کو ایک ناپسندیدہ حربہ اور گھناؤنا سماجی جرم مانا جاتا ہے۔ یہ سُن کر میں حیران رہ گیا۔

تب سے اب تک کافی عرصہ ہوگیا مگر مجھے اُس امریکی جوڑے کی بات آج بھی یاد ہے۔ اپنی قوم اپنے لوگوں پر نظر کرتا ہوں تو بہت دُکھی ہو جاتا ہوں۔ ایک طرف اگر ہم نے جہالت اور سماجی نابرابری کے پردے چاک کئے۔ تعلیم کے میدان میں بہت دور تک دوڑتے چلے گئے۔ ملازمتوں اور سرکاری عہدوں پر بھی براجمان ہو گئے مگر میں آج بھی اپنی قوم کے اُن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو اپنی ہی قوم کے قاتل بنے بیٹھے ہیں۔ ہر طرف فریب دغابازی اور پیسہ بٹورنے کی ہوڑ لگی ہوئی ہے۔ چائے میں سوکھی سبز گھاس، ہلدی میں آٹا، مرچ مصالحے میں لید، تمباکو میں گوبر، دودھ میں پانی، سافٹ ڈرنک میں آبِ رنگین اور نقلی ادویات کی ہزاروں دوکانوں کو دیکھتا ہوں۔ سڑے پھل اور سڑی سبزیاں مشاہدہ کرتا ہوں۔ درآمدی اور لوکل پیداوار کی قیمتوں میں زمین و آسمان کا فرق دیکھتا ہوں۔ دوا کے نام پر زہر بیچنے والے سوداگروں کی توندیں دیکھتا ہوں۔ کم تول اور کم ناپ کے نظارے دیکھتا ہوں۔ رشوت کا گرم بازار دیکھتا ہوں۔ بھیڑ بکریوں کی طرح گاڑیوں میں سواریاں ہونے کے باجود جہنم کی پکار ''ھل من مزید'' (مجھے اور چاہیے) پکارنے والے لالچیوں کو دیکھتا ہوں۔ بے حیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کس طرح سماجی انصاف اور طبقاتی نابرابری کے خلاف کمر بستہ ہونا چاہیے۔ ڈوگرہ مہاراجوں نے کشمیری پنڈت کی وساطت سے کشمیری مسلمان کو اس حد تک پاؤں کے نیچے دبا کر رکھا تھا اور ذہنی طور مفلوج کر رکھا تھا کہ وہ بہت دیر تک بلکہ یوں کہنا درست ہوگا آج تک اُس پسماندگی کے جوئے سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ وہ پسماندگی جو اُس کے ذہن میں نہیں، سماج میں تھی، جو اُس کے شریر میں نہیں ماحول میں تھی اور جو جان بوجھ کر اُس کے اندر ڈال دی گئی تھی تخلیق کی گئی تھی۔ وہ کُند ذہن یا پیدائشی پسماندہ نہیں تھا مگر تعلیمی میدان میں اغیار کے سدراہ بننے سے اور معاشی طور اُسے کمزور رکھنے سے اُس کی صلاحیتیں بروئے کار نہ آسکیں۔ کشمیری پنڈت جو حکومت میں بھی تھا اور دفتر کا حاکم بھی تھا، مہاراجوں کا ہم مذہب اور حاشیہ بردار بھی تھا، مسلمانوں کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتا تھا، اُسے ہمیشہ غلام ہی سمجھتا رہتا تھا اور اُس کی پسماندگی سے اپنی حاکمیت برقرار رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں بھنگی بہشتی سے لے کر راعی تک اور سائیس حمال سے لے کر بقال تک سارا سروس کلاس، ساری خدمت گار جماعت ہی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

بہر حال میں انگریز جوڑے کا ذکر کر رہا تھا ——— انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ہوٹنگ کی وجہ پوچھی جس کا میں نے مناسب الفاظ میں جواب دے دیا۔ میں نے اُن کو اپنے کوارٹر پر جو نزدیک ہی تھا، چائے کی دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کرلی۔ اُن دونوں نے دودھ چینی کے بغیر چائے کی کئی پیالیاں نوش کی اور بہت دیر تک میرے ساتھ مصروف گفتگو رہے۔ بعد میں باتوں کے دوران مجھے پتہ چلا کہ وہ انگریز نہیں بلکہ امریکن تھے۔ لڑکے کا نام جان اور لڑکی کا نام کیرین تھا۔ دونوں میاں بیوی تھے اور ہوٹلوں میں گٹار بجا کر اپنی ضروریات پوری کر لیتے تھے، اور اُن کا جموں آنا بھی اُسی سلسلے میں تھا۔ اُس سے قبل وہ ہندوستان کے کئی شہروں میں اپنے فن کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مظاہرہ کر چکے تھے۔

دورانِ گفتگو اور باتوں کے علاوہ میں نے اُن سے ملاوٹ کے بارے میں سوال کیا۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہمارے خیال سے ہمارے ہاں ایسا کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں یا ادویات میں ملاوٹ اول تو کوئی کرتا ہی نہیں اور بالفرض اگر کوئی کرتا بھی ہے تو مجرم کو حکومت کے اہلکار قانون کے دائرے میں لانے سے قبل لوگ خود ہی اُسے چیر پھاڑ کر اُس کی ساری سمپتی کو خاک کر چکے ہوتے ہیں کیونکہ ملاوٹ کو ایک ناپسندیدہ حربہ اور گھناؤنا سماجی جرم مانا جاتا ہے۔ یہ سُن کر میں حیران رہ گیا۔

تب سے اب تک کافی عرصہ ہوگیا مگر مجھے اُس امریکی جوڑے کی بات آج بھی یاد ہے۔ اپنی قوم اپنے لوگوں پر نظر کرتا ہوں تو بہت دُکھی ہو جاتا ہوں۔ ایک طرف اگر ہم نے جہالت اور سماجی نابرابری کے پردے چاک کئے۔ تعلیم کے میدان میں بہت دور تک دوڑتے چلے گئے۔ ملازمتوں اور سرکاری عہدوں پر بھی براجمان ہو گئے مگر میں آج بھی اپنی قوم کے اُن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو اپنی ہی قوم کے قاتل بنے بیٹھے ہیں۔ ہر طرف فریب دغابازی اور پیسہ بٹورنے کی ہوڑ لگی ہوئی ہے۔ چائے میں سوکھی سبز گھاس، ہلدی میں آٹا، مرچ مصالحے میں لید، تمباکو میں گوبر، دودھ میں پانی، سافٹ ڈرنک میں آبِ رنگین اور نقلی ادویات کی ہزاروں دوکانوں کو دیکھتا ہوں۔ سڑے پھل اور سڑی سبزیاں مشاہدہ کرتا ہوں۔ درآمدی اور لوکل پیداوار کی قیمتوں میں زمین و آسمان کا فرق دیکھتا ہوں۔ دوا کے نام پر زہر بیچنے والے سوداگروں کی توندیں دیکھتا ہوں۔ کم تول اور کم ناپ کے نظارے دیکھتا ہوں۔ رشوت کا گرم بازار دیکھتا ہوں۔ بھیڑ بکریوں کی طرح گاڑیوں میں سواریاں ہونے کے باجود جہنم کی پکار ''ھل من مزید'' (مجھے اور چاہیے) پکارنے والے لالچیوں کو دیکھتا ہوں۔ بے حیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوشیزاؤں اور گستاخ و گمراہ نوجوانوں کو دیکھتا ہوں۔ بسوں میٹاڈاروں میں مرد و زن جیب کتروں اور کترنیوں کو دیکھتا ہوں۔ درآمد کئے گئے ہزاروں اپاہج بھکاریوں، چرس اور ڈرگ پینے والوں اور اس زہر کے کاروباریوں، اسمگلروں کو دیکھتا ہوں۔ نقلی نوٹ چھاپنے والوں اور قوم کی معیشت پر ہتھوڑے برسانے والے ظالموں کو دیکھتا ہوں۔ کار اور بایک چوروں کے گروہ در گروہ غول بیابانی بھی نظر میں آتے ہیں۔ باپ کو بیٹے سے پٹتے اور بھانجے سے چاچے کو قتل ہوتا ہوا بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ خودکشی اور جہیز کے باعث دلہنوں کا استحصال اور آئے دن محافظ پولیس فورس کی گولیوں سے چھوٹے چھوٹے سکولی بچوں کو کٹتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ سیاحوں کو سیاحت کے نام پر لٹتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ قید خانوں میں پڑے بے یارو مددگار سالہا سال سے پڑے بے قصوروں کو دیکھتا ہوں تو رونے لگتا ہوں اور بھڑاس نکل جانے کے بعد کفِ افسوس مل کے حیران رہ جاتا ہوں کہ ہم لوگ زندہ کیسے ہیں۔ ایک ایسے ماحول جس میں ہر طرف ظلم و جبر کا بازار گرم ہے۔ فریب، چالبازی، رشوت اور دھوکہ دہی عام ہے۔ کھان پین کی چیزیں اور ادویات نقلی ہیں اُس میں ایک انسان کے لیے زندہ رہنا ممکن نہیں ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم بھی "ہر آں کہ در کانِ نمک رفت نمک شُد" کے مصداق مشینی یا نقلی انسان بنے ہوں، روبوٹ بنے ہوں، اُسی وجہ سے ماحول کے منفی اثرات ہم پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ شاعر بھی ایسے موقعوں اور ماحول کی موجودگی میں سچ کی بات کہہ جاتے ہیں ؎

دیکھتا ہوں تو نہیں رحم کے قابل کوئی
سوچتا ہوں تو ہزاروں پہ ترس آتا ہے
(عبید اعظم اعظمیؔ)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سامراجیت کے شُول

خوف آتا ہے در و بام کی ظلمت سے ہمیں
ٹمٹماتا ہی سہی مگر گھر میں دیا چاہتے ہیں
(قمر سنبھلی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سامراجیت کے شُول

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عام تاثر یہی ہے کہ جنگ عظیم اول کے بعد جب برطانیہ نے فلسطین پر اپنا ناجائز قبضہ جمایا تو اُس کے بعد یہود کے لیے ایک الگ وطن یا نیشنل ہوم کی داغ بیل پڑ گئی اور اس خیال کی تکمیل جنگ عظیم دوم کے ساتھ ہی ہوئی۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ حقیقیقت یہی ہے کہ یہ خیال بہت پہلے سے یہود کے ذہنوں میں تھا جس کو روبہ عمل انیسویں صدی کے آخری دہلے میں لایا گیا۔ جہاں یہود نے خلافت کو ختم کرنے کی سازش رچی وہیں اپنے لیے ایک الگ ریاست کا بھی خیال ذہن میں پختہ کرلیا۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ سن ۱۸۷۸ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید نے جس وقت عنان خلافت سنبھالی اُس وقت ترکی کو یورپ کا مرد بیمار سمجھا جاتا تھا۔ انگریز کی سازش سے حکومت کا بال بال مقروض تھا اور خلیفہ کی یہ کوشش تھی کہ وہ کس طرح اس بحرانی کیفیت کو دور کرنے میں کامیاب ہوجائیں تاکہ ترکی کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جاسکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بے شمار سکول کھولے، صنعتی یونٹ اور کارخانے، ادویات اور کپڑا بنانے کی ملیں قائم کیں تاکہ معاشرے کو خوشحال بنایا جاسکے۔

خلیفۃ المسلمین ایک طرف اپنی انتظامیہ کو بالکل جدید ترین طریقہ پر منظم کرنے کی کوشش کررہے تھے اور دوسری طرف وہ اخلاقی اقدار کو قائم و برقرار رکھنے کے زبردست حامی تھے جو صرف اسلامی معاشرے کا ہی خاصہ ہے، اس لیے وہ دل سے اتحاد اسلامی کے زبردست قابل و متمنی تھے۔ اُن کی سوچ کا یہ اپروچ تھا کہ ترقی کی بقا اور پائیداری و مضبوطی عالم اسلام سے وابستہ ہے اور دنیا بھر کی سامراجی اور اسلام دشمن طاقتوں کا منہ موڑنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں میں مرکز خلافت کی حفاظت کا جذبہ اُجاگر کیا جائے۔ اُن دنوں سید جمال الدین افغانیؒ بھی اس کوشش

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں مصروف تھے۔ خلیفہ نے بڑے اصرار کے ساتھ صاحب موصوف کو سن ۱۸۹۲ء میں اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور تحریک اتحاد اسلامی کے لیے اپنی خدمات پیش رکھیں۔ اس کے علاوہ ترکی میں مرکز خلافت سے کئی سفیر یہ پیغام لے کر افغانستان، ہندوستان، چین، جاوا، افریقہ اور وسط ایشیا روانہ کئے گئے جہاں اُن کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ مگر افسوس اسی دوران جمال الدین افغانیؒ کا انتقال ہوا۔ اس لیے خلیفۃ المسلمین اُس لڑائی کو لڑنے کے لیے اکیلے رہ گئے۔

اسلام دشمن قوتیں سلطان کی ان فعال کوششوں کو جو اُن کی نظروں میں ''تشویشناک سرگرمیاں'' تھیں کو برداشت نہ کرسکیں۔ انہوں نے صورت حال پر غور و خوض کر کے اس کا یہ حل نکالا کہ سلطان کے خلاف اندرونی طور پر سازشوں کا جال بچھایا جائے تاکہ سلطان کی ساری توجہ داخلی معاملات کی طرف ہی مرتکز ہو کر رہ جائے گی اور اُنہیں اتحاد اسلامی کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ مل سکے گی۔ اُن کی ریشہ دوانیاں کامیاب ہوئیں اور اتحاد اسلامی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور نہ آج تک ہو رہا ہے۔

سلطان کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے میں سب سے بڑھ کر حصہ یہود نے لیا۔ سن ۱۸۹۷ء میں چند بڑے یہود کی ایک خُفیہ میٹنگ ہوئی جس میں مسلم دنیا کے اتحاد پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک تحریری یادداشت سلطان کی خدمت میں پیش کی اور ایک وفد بھی سلطان سے ملا اور درخواست کی کہ اُنہیں فلسطین کے علاقہ میں کچھ زمین پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں جس کے لیے وہ منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار تھے۔ لیکن سلطان کی غیرت ایمانی نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ صیہونیت کے بانی ڈاکٹر ہرزل کی ڈائری جو سن ۱۹۳۴ء میں تل ابیب سے شائع ہوئی تھی، اُس کا ایک اقتباس اس واقعہ سے متعلق یوں ہے:

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

"سلطان عبدالحمید نے اپنے ایک فرمان میں تحریر کیا تھا کہ ڈاکٹر ہرذل کو اطلاع کی جائے کہ وہ فلسطین میں صیہونی حکومت قائم کرنے کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ ایسی حکومت سلطنت عثمانیہ کی قبر پر ہی تعمیر کی جاسکتی ہے"۔

خلیفہ کے اس دوٹوک جواب سے یہود بہت سٹپٹائے اور چراغ پا ہوئے، اسی لیے انہوں نے سلطان کو اپنی راہ کی رکاوٹ مانتے ہوئے اُنہیں مسند خلاف سے معذول کرنے کا فیصلہ کیا، اس بات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہود نے کمر کس لی، نصاریٰ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا اور ترک تجدید پسند نوجوان جن کی قیادت مدحت پاشا کررہا تھا کو بھی روپے، پیسے، شراب اور شباب سے ہموار کرلیا۔ برطانوی پارلیمان کے ایک رُکن جوزف کاڈون نے اپنی حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ وہ مدحت پاشا اور اُس کی جماعت کی حمایت کریں تاکہ وہ اپنے "ذریں" مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔ اور اس طرح سے گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے۔

۲۷/ اپریل ۱۹۰۹ء کو سلطان عبدالحمید پر مذہب پرستوں کا ساتھ دینے کے الزام میں معزول کیا گیا اور یوں خلافت کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی گئی اور یہود کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں دنیائے اسلام کو مزید نقصان پہنچانے کے لیے جاری رہیں۔

عربوں میں باہمی اختلافات کافی عرصہ سے چلے آرہے تھے مگر اسرائیل کے معاملہ میں اُن کی دو مختلف آرا نہیں ہیں۔ اسرائیل بلاشبہ عرب سرزمین کے لیے ایک ناسور ہے۔ یہ وہ زخم ہے جس کو وقت کا فاصلہ بھی مندمل نہ کرسکا جب کہ یہ زخم روز بروز ہرا ہوتا جارہا ہے۔ مسئلہ صرف فلسطین کے بے گناہ عربوں کا ہی نہیں جنہیں اپنے مادر وطن کی آغوش سے نکال باہر کیا گیا بلکہ یہ تمام عالم انسانیت کے لیے ایک اہم معاملہ ہے۔ یہ انسانی حقوق کی پامالی کا ایک ایسا دردناک پہلو ہے جس پر سخت دل انسان بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افسوس کئے بنا نہیں رہ سکتا۔ صدیوں سے رہنے بسنے والے عربوں کو اُن کے آبائی وطن سے دیس نکالا دے کر غیر ملکیوں کو اُن کی سرزمین پر بسایا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین پر یہود کے قبضے کا اعلان ہوا تو یہود کی تعداد فلسطین میں تین فیصد اور پورے اسرائیل میں پچیس فیصد سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بھی برطانوی اعداد وشمار ہیں، حقیقت میں یہود بہت کم تھے۔ لگ بھگ پچیس برس تک مسلسل عربوں کو نکال کر امریکہ اور یورپ سے یہود کو لا کر وہاں بسایا گیا۔ عربوں کی زمین کو زبردستی اور غیر قانونی طور پر نیلام کیا گیا اور یہود کو تمام مراعات اور سہولیات دی گئیں۔ یہ سارا تماشہ برطانوی سامراجیت کا تھا اور اُسی نے اپنے طاقت کے بل بوتے پر یہ بہیمانہ کھیل کھیلا اور قیامت تک کے لیے اپنے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔ دراصل برطانیہ کو ایسا کرنے سے سیاسی فائدے مدنظر تھے۔ وہ سرزمین عرب میں اپنے لیے ایک فوجی چھاؤنی کا متلاشی تھا اور اسرائیل کی آڑ میں اُسے یہ فوجی چھاؤنی مل گئی۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اسرائیل برطانیہ کی سامراجی ہوس کا ناجائز بچہ ہے ——— ایک حرامی بچہ۔

زمانہ قدیم سے ہی فلسطین عرب سرزمین کا حصہ رہا ہے۔ اس پاک دیش کے باشندے عربوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور ذہین لوگ شمار ہوتے تھے۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کا یہ مقدس شہر ہمیشہ عربوں کے قبضہ میں رہا ہے اور اُس کی پچانوے فیصد آبادی عربوں پر مشتمل تھی۔ زبان، تہذیب، معاشیات اور نسل کے اعتبار سے یہ خطہ عرب دنیا کا حصہ رہا۔ انہی تمام حقائق کی بنیاد پر مشہور مورخ پروفیسر ارنالڈ ٹوائن کہنے پر مجبور ہوا:

"ایک ہزار آٹھ سو سال بیت جانے کے بعد بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلسطین یہود کا ملک تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آج امریکہ ریڈ انڈینس کا ملک مشہور ہوتا اور انگلینڈ اور دنیا کے بہت سارے ملکوں میں صورت حال مختلف ہوتی۔ میری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رائے میں یہودیوں کا فلسطین پر کوئی حق نہیں ہے بجز اُن کی ذاتی ملکیتوں کے۔ وہ کسی ریاست کے قیام کا حق نہیں رکھتے۔ سب سے بڑی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مذہبی بنیاد پر ایک ریاست کا قیام عمل میں آیا ہے جو مطلقاً غلط اور ناجائز ہے۔

ماضی قریب کی تاریخ کے مطابق سن ۱۹۱۴ء سے پیشتر فلسطین پر سلطنت عثمانیہ کا قبضہ تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ برطانیہ کے قبضے میں آیا۔ برطانیہ نے عربوں اور اتحادیوں کو یقین دلایا کہ وہ فلسطین پر ترکوں کا تسلط ختم کرنے کے لیے قابض ہو رہا ہے اور اُس کے بعد عربوں کی خود مختار حکومت کا قیام عمل میں آجائے گا۔ برطانیہ کے اقتدار سنبھالنے کے وقت فلسطین کی آبادی سات لاکھ تھی اُن میں پچاس ہزار یعنی سات فیصد سے بھی کم یہود تھے۔ اُن یہود میں سے بھی بہت سارے نسلاً عرب تھے۔ وہ لوگ اپنے دیگر مذہب داروں کے ساتھ پُر امن طریقے سے رہتے تھے۔

برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کرتے وقت کہا تھا کہ وہ جلد ہی اس کو ایک خود مختار عرب ریاست بنادے گا مگر اُس نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ جونہی جنگ عظیم ختم ہوگئی عربوں کو احساس ہوگیا کہ اُن کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ لارڈ بالفور نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو بدنام ترین بالفورڈ اعلانیہ جاری کیا جس میں برطانیہ نے یہود کے لیے ایک نیشنل ہوم قائم کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اُسی اعلانیے کے ساتھ سرزمین عرب کے بٹوارے کے لیے اتحادیوں نے خفیہ معاہدوں پر دستخط کیے۔ فلسطین کے لیے منڈیڈری سسٹم ایجاد کیا گیا اور آخر کار لیگ آف نیشن نے فلسطین کو اُس وقت تک کے لیے برطانیہ کی تحویل میں دے دیا جب تک کہ خود یہاں کے باشندے حکومت کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

خود ساختہ محافظ بن کر انگریز نے فلسطین کو مکمل یہود ریاست میں بدلنے کی تدابیر اختیار کیں۔ انتظامی عملہ اور سرکاری افسران کو خصوصی ہدایت جاری کی گئی مگر عربوں کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انتظامیہ میں کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ سگ ابیض کے اس سامراجی فسطایت کے خلاف مہاتما گاندھی نے اخبار ہریجن کے ۱۲ نومبر ۱۹۳۸ء کے شمارے میں لکھا:

"میری تمام ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ ہیں لیکن ہمدردی مجھے انصاف کے تقاضوں سے اندھا نہیں کر سکتی۔ یہودیوں کے لیے جو نیشنل ہوم کا نعرہ لگایا جاتا ہے اُس نے مجھے کبھی اپیل نہیں کیا ہے۔ جس طرح فرانس فرانسیسیوں کا ہے اور انگلینڈ انگریزوں کا ہے بالکل اُسی طرح فلسطین عربوں کا ہے۔ یہودیوں کو عربوں پر سوار کرنا قطعی غلط ہے۔ فلسطین کے علاوہ اگر یہودیوں کا کوئی دوسرا گھر نہیں ہے تو کیا وہ دنیا کے اُن حصوں کو چھوڑنا پسند کریں گے جن میں وہ بس گئے ہیں یا وہ دو دو گھر چاہتے ہیں کہ جہاں چاہیں رہیں۔ انجیل کے زمانے والا فلسطین ایک جغرافیائی حقیقت نہیں ہے یہ اُن کے دلوں میں ہے لیکن اگر فلسطین کو جغرافیائی نقطہ نظر سے اپنا قومی وطن بنانا چاہتے ہیں تو یہ قطعی غلط ہے کہ وہ وہاں برطانوی بل بوتے پر داخل ہوں"۔

برطانوی رجعت پسندوں کے ایما پر تمام اعلیٰ عہدے یہود کو دیئے گئے۔ ہائی کمشنر ایک یہود تھا۔ ہجرت، سیر و سیاحت، مال، انڈسٹری، قانون، انصاف، عدلیہ وغیرہ تمام محکمے یہود کے ہاتھ میں تھے۔ سب سے بڑا کارنامہ جو برطانوی انارکسٹوں نے انجام دیا وہ یہ تھا کہ تمام یہودی مہاجروں کے لیے فلسطین کا دروازہ کھول دیا گیا۔ مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے یہود یہاں پہنچنے لگے، خاص طور پر اُن یہودیوں کو وہاں بھیجا گیا جو اتحادی فوج میں کام کر چکے تھے۔ فلسطین روانہ ہونے سے قبل اُن کو مزید فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ اُس پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سن ۱۹۱۸ء میں یہود کی آبادی جو صرف سات فیصد تھی وہ سن ۱۹۴۷ء میں بڑھ کر ۲۳ فیصد ہو گئی۔ اُس کے برخلاف عربوں کی تعداد جو ۹۲ فیصد تھی سے گر کر صرف ۶۷ فیصد رہ گئی۔ اُسی پر بس نہ ہوا ایسے قانون بنائے گئے جن کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ذریعے یہود کو عربوں کی زمین و جائیداد ضبط کرنے کا اختیار دیا گیا۔ یہودی مہاجرین کو ہر طرح کی آسانیاں فراہم کی گئیں۔ اس کے برخلاف عربوں کی زمینوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ ٹیکس نہ ادا کرنے پر بہت سارے عربوں کی زمینیں نیلام ہوگئیں۔ برطانوی سامراج نے بڑی بڑی زمینیں یہود کو معمولی کرایہ اور اکثر بالکل مفت تقسیم کردیں۔ ایسی ساری زمینیں عربوں سے ہتھیالی گئیں تھیں۔ عربوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور اگر کوئی ایسا کرتا تو اُس کے لیے موت کی سزا تھی۔ جب کبھی عربوں نے اس ظلم و تعدی اور برطانیہ کی مسلم کش پالیسی کے خلاف احتجاج کیا تو اُس آواز کو سختی کے ساتھ دبا دیا گیا۔ سرکاری برطانوی رپورٹ کے مطابق سن ۱۹۴۷ء تک برطانوی آدم خوروں نے دس ہزار فلسطینی مسلمانوں کو قتل کرایا۔ دو سو کے قریب پھانسی پر لٹکائے گئے اور ہزاروں عرب گھروں کو جلا دیا گیا۔ ہزاروں کو نظر بند کیا گیا اور سینکڑوں گاؤں کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ قومی تحریک کے رہنماؤں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا اور یہود کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کو شہ دی گئی۔ لوٹ مار اور غارت گری کے بعد اُس طرح سے اسرائیلی ریاست قائم کر کے مشرق وسطیٰ کے دل میں مغربی سامراجیت کا کند چھرا گھونپ دیا گیا۔

سن ۱۹۴۶ء میں برطانیہ کی درخواست پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی بلائی گئی۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے ہی مغربی طاقتوں کی آلہ کار رہی ہے۔ اُس نے ایک کمیشن مقرر کیا جس کی سفارش پر فلسطین کو تقسیم کیا گیا۔ عربوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی طرف سے تین معقول تجاویز پیش کیں۔ اولاً یہ کہ فلسطین کی ایک وفاقی حکومت بنائی جائے جس میں یہود کو تمام حقوق اور سیکورٹی حاصل ہو، یا فلسطین کا مسئلہ رائے شماری سے طے کیا جائے اور اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو بین الاقوامی عدالت کے سامنے اس مسئلے کو رکھا جائے۔ لیکن یہ تجویز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی کیونکہ حق و صداقت کی آواز سننے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب تقسیم کی تجویز منظور ہوئی تو فلسطین کی کل آبادی اکیس لاکھ اور پندرہ ہزار تھی۔ جس میں برطانیہ کی تمام کوششوں کے باوجود یہودی آبادی کا تناسب ایک تہائی تھا جب کہ عرب آبادی دو تہائی تھی۔ لیکن ان تمام حقائق کے باوجود عربوں کو صرف ۴۲ فیصد علاقہ ملا۔ اس تقسیم کے بعد فسادات، تباہی و بربادی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہود نے عربوں کے مال و اسباب کو لوٹا، بچوں اور عورتوں کا بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ عربوں کے گاؤں میں لوٹ مار کر کے آگ لگا دی اور یہ سب برطانیہ کی چھتر چھایا میں ہوتا رہا۔ کوئی بھی عربوں کی مدد کے لیے آگے نہیں آیا۔ ۱۵ر مئی ۱۹۴۸ء کو جب برطانوی فوجیں مسلمانوں کا قتل عام کر کے فلسطین سے روانہ ہوئیں تو یہود عربوں کے زیادہ تر شہروں پر قبضہ کر چکے تھے اُن شہروں پر جو نام نہاد تقسیم کے ذریعے عربوں کے حصے میں آئے تھے۔ اسی طرح ہزاروں عربوں کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اُس کے بعد فوراً ہی یہود نے اسرائیل نام کی ریاست کا اعلان کر دیا جس کو امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں نے فوراً ہی تسلیم کر لیا۔

تاریخ نے بڑے بڑے المیے دیکھے ہیں۔ بہت ظلم اور بے شمار زیادتیاں دیکھی ہیں۔ بڑی ناانصافیاں اور استحصال دیکھے ہیں مگر جو جبر و زیادتیاں اور جو استحصال، جو بے انصافیاں فلسطین کے عربوں نے دیکھی ہیں ایسی زیادتیاں شاید ہی کسی اور قوم نے دیکھی ہوں گی۔ رومی خارا شگاف تلوار نصف دنیا کے سر پر لٹکتی رہی۔ رومی بستیوں، شہروں اور ملکوں کو روندتے رہے، آگے بڑھتے رہے، لاشوں کے پرے لگاتے رہے اور لوگوں کو زیر کرتے رہے۔ ملکوں کو اپنی مملکت میں شامل کرتے رہے مگر تاریخ نے ایسی کوئی مثال ریکارڈ نہیں کی کہ رومیوں نے لوگوں کو بدر کر کے اپنے لوگ وہاں بسائے ہوں۔

منگول سرزمین سے ایک عظیم انقلاب اُمڈ پڑا جس کے ریلے اپنے ساتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بستیاں، شہر، قومیں اور حکومتیں بہا کر لے گئے۔ مملکت اسلامیہ کو اُسی ریلے نے اینٹ سے اینٹ بجادی، سروں کے مینار کھڑے ہو گئے، مسجدیں بت خانوں اور شراب خانوں میں تبدیل ہو گئیں مگر ٹڈی دل تاتاری سپاہی خود کسی جگہ بود و باش کے لیے نہیں ٹھہرے ——— ٹھہرے بھی تو انہوں نے وطن والوں کو وطن بدر نہیں کیا۔ مغلوں نے ہندوستان فتح کر کے ہزار سالہ شاندار حکومت کی مگر کسی بھی ہندوستانی کو ملک بدر کر کے وسط ایشیا یا دنیا کے کسی اور حصے میں ہجرت کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا اور نہ ہی مفتوح لوگوں یا علاقوں کی بچی زمین و جائیداد پر قبضہ جمایا۔

مجاہدین اسلام نے بھی اعلائے کلمۃ الحق کے لیے بڑے بڑے معرکے سر کئے، سرکشوں کے سر جھکا دیئے، قیصر و کسریٰ کو اُن کی بے ادبی کے لیے سزائیں دیں۔ ایذا رساں یہود، قاتل رومیوں، گستاخ قبائل اور سرکش فارسیوں کو اُن کے گھر میں جا کر ادب و اخلاق، خدا ترسی، صلہ رحمی و مروت کا سبق پڑھایا مگر تاریخ اسلام یا تاریخ عدو نے کوئی بھی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہوا کہ اسلامی فوجیوں نے وطن والوں کو نکال باہر کر کے خود اُن کی زمین و جائیداد ہڑپ کر لی ہو۔ وطن مالوف چھوڑ کر وطن مفتوح اپنایا ہو۔

بدترین ظلم و جبر اگر دیکھا تو صرف فلسطین کے عربوں نے دیکھا۔ گھناؤنا استحصال، مکروہ تعصب اور عقوبت و درندگی اگر دیکھی تو انہی بے قصور و مجبور انسانوں نے دیکھی جو مذہبی تعصب کے شکار بنے۔ جو صدیوں پہلے کی عیسائی ہزیمت (صلیبی جنگوں میں) کے ہدف بنے، انتقامی جذبے کے ٹارگٹ بنے۔ جو صہیونیت کے ننگے شیطانی چالبازیوں اور مکروہ سازشوں کی قربان گاہ بنے۔

اس طرح سے اسرائیل نے مغربی سامراجیت کی ناجائز اولاد کی شکل میں سرزمین عرب پر جنم لیا۔ اس طرح سے نیلے تارے نے تمام دنیا کے سمندروں کی نیلاہٹ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور آسمان کی وسعتوں کو شرمندہ کر کے اپنے مکروہ وجود کو آشکارا کیا۔ اس طرح سے مقدس سرزمین عرب کے دل میں خنجر گھونپ کر سفید چمڑی پر غرور کرنے والوں نے اپنی تنگ نظری، مذہبی تعصب اور مسلم دشمنی کا ثبوت فراہم کیا۔ اس طرح سے عیسائیت اور صیہونیت کے باہمی سازشی ارتباط اور کٹھ بندھن سے صدیوں کے وطن داروں کو مہاجرین بن کر بے یار و مددگار در در اور ملک ملک کی ٹھوکریں کھانا پڑیں، بھوکوں مرنا پڑا اور خاک ہونا پڑا۔ اس طرح سے ایک ترقی یافتہ فہیم و فلسطین قوم کو اپنی تعلیم، اپنی ثقافت اور تمدنی ورثے کو بھول کر صرف سر چھپانے کی جگہ کے لیے سعیٔ پیہم کرنا پڑی۔ اس طرح سے جری اور بہادر لوگوں کو بزدل بن کر غیروں کا دست نگر بننا پڑا بلکہ جارڈن کے سابقہ بادشاہ شاہ حسین جیسے امریکی دوستوں سے کئی لوگوں کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ اس طرح سے مغربی دنیا کے اُن سازشی عوامل کا ایک ہلکا سا عندیہ بخوبی ملتا ہے جو وہ مسلمانوں کی بیخ و بُن اُکھاڑنے کے لیے طلوع اسلام سے ہی اپنے گندے تخریبی دماغوں میں پالتے رہے ہیں۔ اور اس طرح سے تاریخ کے متحرک قلم نے ایک بڑی اور دائمی لعنت برطانیہ، امریکہ اور اسرائیل کے ماتھے پر لکھ دی جو اٹھائے نہیں اٹھ سکتی اور مٹائے نہیں مٹ سکتی ہے۔

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صرف دو منٹ میں

جسے طوفان کہا جاتا ہے وہ کچھ اور ہی شئے ہے
ہوا کتنی بھی بڑھ جائے ہوا سے کچھ نہیں ہوتا
(آوارہ سلطان پوری)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صرف دو منٹ میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یونان کے ایک چھوٹے سے خوبصورت قصبے اگزینیا کی آبادی صرف پچیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ یہ قصبہ اپنی خوبصورتی اور قدرتی حُسن سے مالا مال تھا۔ اس لیے یہاں سیاحوں کا کافی آنا جانا تھا۔ ہر سال دور و نزدیک سے ہزاروں کی تعداد میں سیلانی آتے تھے جس سے قصبے کی معیشت پر خاصا خوشگوار اثر پڑتا تھا۔ چونکہ یونانی زبان میں اگزینیا کا مطلب ''خوش آمدید'' ہے اس لیے اس تسمیاتی مناسبت کی وجہ سے بھی یہاں دنیا کے اطراف سے آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال بڑی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں سیاحوں کا آنا جانا ہو اوہاں کم از کم اخلاقیات کماحقہٗ پس پردہ چلی جاتی ہیں وہ بھی خصوصاً مغربی برہنہ تہذیبی ممالک میں۔ چونکہ ایک سیاح کا قیام مختصر ہوتا ہے اور اس مختصر قیام کے دوران وہ بے شک روپیہ خرچ نہیں کرتا بلکہ پانی کی طرح بہاتا ہے اور اس زرین بہاؤ میں وہ اپنی خواہشات سے بھی بڑھ کر بہت کچھ چاہتا ہے۔ جب صورت ایسی ہو تو اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل جاتا ہے اور بے راہ روی دستک دیتی ہے۔ چونکہ رب العالمین ایک معینہ مدت تک خرافات میں ڈھیل اس لیے مرحمت فرماتا ہے کہ مبادا فاعل سنبھل جائیں، توبہ کریں، راہ راست پر آجائیں۔ وہ غفور و رحیم عفو و درگذر کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے کیونکہ اُسے اپنی یہ تخلیق یعنی انسان بے حد عزیز ہے۔ مگر جب صورت حال حد سے تجاوز کرتی ہے تو قرآنی تنبیہ کے مطابق:

''حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار بدعملی کی سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں''۔ (الاعراف: ۱۶۷)

اور قدرت جب کسی پر آفت نازل کرتی ہے، کسی بستی کو تاراج کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو اچانک اُسے دبوچ لیتی ہے۔ تاریخ کے صفحات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ بہت سی بدبخت قومیں اصحاب حجر، قوم لوطؑ، پومپیئی، مایان وغیرہ اپنے کردہ گناہوں اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بدافعال کی پاداش میں قدرت کے شدید ترین عذاب سے اچانک دو چار ہوگئیں اور صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

۳/اپریل ۱۹۷۴ء سے ایک روز قبل اگزینیا کے باشندوں نے ریڈیو پر سنا کہ موسم غیر معمولی ہے اور پریشان کُن ثابت ہوسکتا ہے۔ مگر انہوں نے اس نشریے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی کیونکہ اس سے قبل بھی وہ اس نوعیت کی خبریں سنا کرتے تھے اور عام طور پر حالات پُرسکون ہی رہتے تھے۔ اُس دن اچانک شام کے ساڑھے چار بجے کے قریب ایک سرسراہٹ سے آغاز ہوا جو ایک دہشت انگیز آواز اور گرج کی صورت اختیار کرگئی اور ایک گرد آبی طوفان باد بن کر ہر اُس چیز کو روندتے اور تاراج کرنے لگی جو اُس کی راہ میں آئی۔ یہ گرد آب بلاخیز ایک سو چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہر طرف دہاڑ رہا تھا اور ہر ایک چیز کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر اپنے ساتھ لے جارہا تھا۔

لوگ اپنے شیطانی قہقہے، بدفعلیاں اور خرمستیاں بھول کر اندھا دُھن اپنی جان بچانے کے لیے محفوظ پناہ گاہوں کی طرف دوڑنے لگے۔ طوفان کے زور سے مکانات تنکوں کی طرح فضا میں اڑنے لگے۔ ایک عورت اپنے تہہ خانے سے طوفان کا زور دیکھنے کے لیے نکلی تو اُس نے اپنے گھر کو غائب پایا۔ اُس کی کار ایک درخت پر ٹنگی ہوئی تھی۔ ایک جوڑا ایسا تھا جس کی کل کائنات لاپتہ تھی صرف جوتوں کا ایک جوڑا کسی طرح سے بچا تھا۔ پُرآشوب طوفان گرج رہا تھا اور قصبہ اگزینیا تاراج ہورہا تھا۔ کچھ خواتین بیوٹی پارلر میں اپنے آپ کو حسین بنارہی تھیں کہ اچانک اُن کو طوفان نے آدبوچا اور موت کے بدصورت چہرے کے ساتھ ہمکنار کردیا۔ ایک عورت کو قیلولہ ہی اُس کے لیے ہمیشہ کی نیند ثابت ہوا۔ ایک ریلوے سگنل مین اُس وقت ہلاک ہوا جب وہ آرام کی خاطر اپنے گھر کی جانب جارہا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قصبہ کے لوگ دہشت زدہ ہو کر پاگلوں کی طرح چیخ رہے تھے اور سارا علاقہ میدان جنگ سے بدتر نظر آرہا تھا۔ سڑکوں پر چھ فٹ ملبہ جمع ہو چکا تھا، کچھ لاشیں ناقابل شناخت تھیں۔ امدادی ٹیمیں سرگرم عمل تھیں اور زخمیوں کے علاج معالجے کے لیے ہنگامی ہسپتال قائم کئے گئے تھے۔ لوگ زخموں سے زیادہ رنج والم کے صدمات سے حراساں تھے۔ اگلی صبح کو نقصان کا اندازہ لگا لیا گیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک سو بیس سیکنڈ میں یعنی صرف دو منٹ کے اندر تیرہ سو عمارتیں تباہ ہو گئیں تھیں جب کہ دیگر تین ہزار چار سو مکانات کو جزوی اور اچھا خاصا نقصان پہنچا تھا۔ سکول کی تین بسیں کار پارکنگ سے میلوں دور پائی گئیں اور ایک پولیس مین کا بیج اور ٹوپی پانچ میل دور ایک درخت پر پایا گیا۔ بھاری فرنیچر کے پرخچے اُڑ گئے تھے اور موٹر کاریں کھلونوں کی طرح درختوں پر جھول رہی تھیں۔ اگرچہ صرف اٹھائیس افراد ہلاک ہو چکے تھے مگر زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ طوفان سے ایک گھنٹہ قبل سینٹرل جونیئر ہائی سکول سے پندرہ سو بچے رخصت ہو گئے مگر ایک گھنٹے کے بعد سکول کی عمارت ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی۔

آج بھی ۱۳ اپریل کو ہر سال اگزینیا اُوہو کے لوگ سن ۷۴ کے اُس طوفان بلاخیز کو یاد کر کے لرز اُٹھتے ہیں اور ہلاک شدگان کی یاد میں دعائیں کرتے ہیں، گرجوں میں شمعیں جلاتے ہیں اور اپنے گناہوں پر بھی تاسف کرتے ہیں۔

سالِ رواں کے اکتوبر اور نومبر مہینوں کے دوران مجھے لگ بھگ نصف وادی گھومنے کا موقعہ ملا۔ میں ایک بڑی غلطی میں مبتلا تھا جو ان اسفار کے دوران دور ہو گئی۔ وادی میں اگر قابض عساکر کی طرف ظلم وستم جاری ہے تو لوگ بھی بذات خود کچھ کم ظالم نہیں ہیں۔ ہر کوئی صرف اپنے ہی بارے میں سوچتا ہے۔ اسلامی اخوت و برادری کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ مجھے جتنی بے راہ روی وادی میں نظر آئی اتنی ہندوستان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے اُن شہروں میں نظر نہیں آئی جن کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اگر جاری ناجائز منافع خوری، لوٹ کھسوٹ، ظلم وزبردستی، ناحق برادر کشی، رشوت واستحصال اور سب سے بڑھ کر بدکرداری سے لوگ تایب نہ ہوئے، خود ہی گول والکر کے ایجنڈے کی عمل آوری کرنا نہ چھوڑ دی تو صدیوں کی خدائی پھٹکار اور غلامی کے علاوہ ایک طوفان بلاخیز نمودار ہوسکتا ہے یا ایک تباہ کن زلزلہ آسکتا ہے جس میں یہ وادی تنکے کے طرح بہہ جائے گی۔ اور بچی ہوئی نسل میں لوگ ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ ہمارے بڑوں بزرگوں نے ایسا کیا کیا تھا جو یہاں کے اصلی باشندے اور وراثت دار مفقود ہو کر ایک نئی ہی نسل ہمارے اردگرد ہے اور ہر طرف منجیرے بج رہے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میٹھے رشتے

دیکھنا کل وقت خود مرہم لگانے آئے گا
زخمِ دل آج اگر گہرا ہوا تو کیا ہوا
(محمد شفیع سیتاپوری)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میٹھے رشتے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رشید احمد صدیقی مرحوم کا کہنا ہے کہ مغلوں کی دین ہندوستان کو اُردو، تاج محل اور غالبؔ ہیں۔ یہ بات سو فیصد درست اس میں شک یا اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ مگر دیگر دانشوروں اور اہلِ علم کے ساتھ میرا ماننا یہ بھی ہے کہ مغلوں نے علاوہ ازیں ہندوستان کو ایک منفرد طرز کی گنگا جمنی تہذیب سے بھی سرفراز کیا جو نہ صرف بیرونِ ملک بلکہ اقوامِ عالم میں نہایت عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی جب کہ کئی اقوام کو اس طرح جمہوری فیض و برکات سے مستفید ہونے کی تمنا رہی۔ اُس ثقافت کی بنیاد اُس کی ہمہ جہتی تھی اُس کی رنگا رنگی تھی، مگر سن ۱۸۵۷ء کی ہندوستان کی ادھوری جنگ آزادی جس میں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا، کے بعد عام طور پر اور سابقہ ساٹھ ستھر برس سے خاص طور پر ہندوستان کی کچھ فتنہ پرور، شدت پسند اور متعصب جماعتوں، جن کو ملک کی سالمیت، یگانگت اور خاص طور پر جمہوریت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں، نے اس جمہوری تانے بانے، گنگا جمنی اکھنڈتا، منفرد پیار و محبت اور بھائی چارے کی تہذیب کو ملیا میٹ کر دیا اور اُس قدیم بنیاد کو اتنا مضروب کیا کہ اگر کبھی اُس کے ناسور رسنا بند بھی ہو جائیں گے مگر زخم عرصہ تک مندمل ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ کثرت میں وحدت سے جب ہم انحراف کی راہ پر چل نکلتے ہیں تو نتیجہ انتشار اور پراگندگی کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ ایک ایسے ملک میں جس میں صرف ساٹھ سال کے عرصہ میں کم و بیش چھتیس ہزار دنگے کرا کر صرف ایک مخصوص اقلیت کو ہدف بنایا جائے، اُن کے جان و مال کا ضیاع اور مستورات کی بے حرمتی کے ساتھ املاک کو بھی نذرِ آتش کیا جائے۔ ایسے دیش میں اگر جمنا سوکھ جائے تو کوئی بڑی بات نہیں اور پاپوں کے زیادتی کے کارن گنگا میلی ہو جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

گرچہ ہمارے محلے میں اکثریت کشمیری پنڈت گھرانوں ہی کی تھی مگر ہمارے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بالکل قریب ہمسائیگی میں تیس گھر پنڈتوں کے تھے۔ جب ہم چھوٹے تھے مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ عیدین پر کئی چیزیں ہماری جانب سے اُن گھروں میں جایا کرتی تھیں اور دیوالی، شیوراتری کے موقعہ پر ترا خروٹوں کے علاوہ کئی طرح کی سوغات ہم کو مل جاتی تھی۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر دست بوسہ کے علاوہ مبارک سلامت میں ہر کوئی انفرادی حیثیت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ ہم پنڈتوں کی شادی میں دولہے کی بارات کے ساتھ جاتے تھے اور وہ بھی ہماری بارات میں قدم قدم ساتھ چلتے تھے۔ مگر اب وہ باتیں کہاں۔ آج کل کے بچے کو یہ بات افسانہ لگے گی کیونکہ اُس نے میٹھے رشتوں کا وہ ستیہ یگ دیکھا ہی نہیں ہے۔ مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہی ہے۔ ہم نے اپنے وقت میں دوستی اور بھائی چارے کے ہار پرو کر ایک دوسرے کو پہنائے ہیں۔ پیار و محبت کے دیے جلا کر امن و آشتی کی دیپاولی منائی ہے اور مسرت و شادمانی کی کئی مشترکہ عیدیں منائی ہیں۔ کس کے دل میں کیا تھا نیکی یا بدی، الفت یا نفرت اُسے اظہار کرنے یا من سے باہر نکالنے کا کوئی چانس ہی نہیں تھا کیونکہ ماحول ہی ایسا بنا ہوا تھا جس میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔ مسلمان بچوں کے اتالیق کشمیری پنڈت ہوا کرتے تھے اور پنڈت لڑکیوں کو سُسرال تک چھوڑنے مسلمان مرد یا عورت جاتے تھے۔ بات عجیب سی ہے مگر بہرحال حقیقت یہی ہے کہ میں نے ہندی زبان کے ابتدائی حروف تہجی ایک مندر میں گوروجی کے پاس ہی سیکھے ہیں۔

فی زمانہ مشہور شاعر جاوید اختر خاص طور سے ممبئی کی فلم نگری سے وابستہ ہیں اپنے وقت کے معروف شاعر جان نثار اختر کے صاحبزادے ہیں۔ اُن کی والدہ صفیہ جان نثار اختر بھی ایک صاحب طرز انشا پرداز اور منفرد خطوط نگار کی حیثیت سے تسلیم کی جا چکی ہیں۔ اُن کی تین کتابیں ''حرف آشنا''، ''زیر لب'' اور ''انداز نظر'' کے ذریعے وہ اُردو ادب میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنا مقام بنا چکی ہیں۔ حمیدہ سالم، صفیہ کی چھوٹی بہن نے جاوید کو پالا ہے۔ انہوں (حمیدہ سالم) نے ابھی حال ہی میں ایک کتاب "ہم ساتھ تھے" لکھی ہے جس میں وہ ایک جگہ رقمطراز ہے:

"ہمارے گھروں میں وہی تہوار نہیں منائے جاتے تھے جن کا تعلق ہمارے مذہب یا ہمارے عقیدے سے تھا بلکہ ہمارے یہاں بسنت کا تہوار بھی زوروں سے منایا جاتا تھا۔ اُس دن کے لیے بسنتی دوپٹہ لازمی تھا۔ مراثنیں اپنی ڈھولک سمیت آپہنچتی تھی اور گانے بجانے ہوتے تھے۔ ہمارے گھر میں دیوالی بہت زوروں سے منائی جاتی تھی۔ کہنے کو اس تہوار کے سلسلہ میں لوازمات کی تیاری بچوں کے نام پر ہوتی تھی لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فیسٹول کی فضا پیدا کرنے اور اُس سے لطف اٹھانے میں ہمارے بزرگ بچوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے تھے۔ ہمارے گھر کی سہ دری سے لگی ہوئی دیوار میں ہمارا ایک پنج درہ گھروندا بنا ہوا تھا۔ سال بھر تو ہماری گڑیاں اُس میں سوتی جاگتی تھیں۔ پر دیوالی سے ایک دن پہلے وہ ایک صندوقچہ میں مقید کرلی جاتی تھیں اور اُس گھروندے کی رنگ آمیزی ہوتی تھی۔ اُس میں مٹی کی چھوٹی چھوٹی ہانڈیاں اور کونڈیاں رکھی جاتی تھیں جن میں مُرمُرے اور بتاشے بھرے جاتے تھے۔ یہ گھروندا شکر کے کھلونوں سے سجایا جاتا تھا اور گھی کے دیوں سے روشن کیا جاتا تھا۔ اُس گھروندے کی رنگ آمیزی کے لیے ہمارے بڑے تایا ہمارے گاؤں سے ردولی آتے تھے۔ اسرار بھائی (اسرار الحق مجازؔ) اُن کے اسسٹنٹ کا کام انجام دیتے تھے۔ پٹاخوں اور آتش بازی کی ذمہ داری تو اسرار بھائی اور اُن کے ساتھیوں پر ہونی ناگزیر تھی۔ مراثنیں اور اُن کی لڑکیاں بن بلائے آتی تھیں اور موقعہ کی مناسبت سے گانے گائے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جاتے تھے۔ کسی کے ذہن میں دور دور یہ خیال نہیں آتا تھا کہ یہ تہوار ہندوؤں کا ہے اور اس میں مسلمان کی شرکت اسلام کو خطرے میں ڈال دے گی اور اُن پر جنت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ باوجود اس کے کہ اُس وقت لوگوں کے پاس کالج کی ڈگریاں نہ تھیں۔ زندگی کے تجربات بھی محدود تھے۔ چھوت چھات بھی آج سے کچھ زیادہ ہی تھی لیکن ذہنوں میں اپنائیت کی ایک کھڑکی تھی، جو کھلی ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے اُس کی کشادگی میں کمی ہوتی جا رہی ہے، جانے کیوں"؟

اُن میٹھے رشتوں کے بارے میں ہم بچوں کو بتائیں تو وہ ماننے سے انکار کریں گے اور وہ غلط نہیں ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے گجرات، ہاشم پور، میرٹھ، مراد آباد، اعظم گڑھ میں ہوئے کانڈ ہی دیکھے اور سنے ہیں۔ اس لیے وہ ہماری بات کا کیونکر اعتبار کر سکتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چینی پیر

ہر چند جگت کے بخت سیاہوں میں ہیں ولے
کاجل ہو جا بسے ہیں سجن کے نین میں ہم
(ولی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چینی پیر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُردو زبان کا ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کا ایک بہت ہی بڑا اور عظیم شاعر یوں تو ولیؔ، ولیؔ دکنی، ولیؔ گجراتی اور ولیؔ اورنگ آبادی کے ناموں سے جانا جاتا تھا مگر عام طور پر اُسے ولیؔ دکنی کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے۔ ولیؔ دکنی حُسن وخوبصورتی اور محبت و رعنائی کا شاعر تھا۔ اتنا بڑا کہ اُس نے اُردو غزل کو نئی جہتیں عطا کیں۔ وہ صاحب طرز شاعر منفرد طبع آزمائی نہ کرتا تو اُردو غزل کو شاید وہ رنگ وآہنگ اور اتنی مقبولیت نہ ملتی اور وہ ترقی کے اُن منازل کو نہیں چھوتی جن پر آج اُس کی کمندیں پڑ چکیں ہیں۔ یہ ولیؔ دکنی ہی تھا جس نے گجری اور دکنی کو اُردو میں اس طرح شیر وشکر کیا کہ اُردو غزل کا مزاج ہی بدل دیا۔ جب موصوف کا دیوان دہلی کے ادبی حلقوں میں پہنچا تو اُردو کے اساتذہ حیران رہ گئے کیونکہ اُردو غزل جو اکثر وبیشتر فارسی کا جامہ زیب تن کئے رہتی تھی، اظہار و بیان کی ایک نئی جہت سے سرفراز نظر آنے لگی۔

ولیؔ دکنی کا وطن گجرات تھا۔ وہ گجرات کے شہر سورت کا عاشق تھا۔ حالات کے پیش نظر جب اُسے وقتی طور پر گجرات چھوڑنا پڑا تو وہ جدائی اُسے بے حد شاق گذری۔ گجرات کی جدائی اُس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ہوتی بھی کیسے؟ اُسی شہر میں اُس کے پیارے اور اُس کے دوست رہتے تھے۔ اُن پیاروں میں کھیم داس، امرت لال، ہیرا لال، گوبند لال اور محمد مراد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن دوستوں میں گوبند لال اُس کے بے حد قریب اور عزیز تھا۔ ولیؔ نے کئی اشعار میں اُس کا ذکر کیا ہے۔ ایک شعر میں یوں گویا ہوئے ہیں ؎

جوں شمع گھل پڑیں گے شرمندگی سے گل رو
جس انجمن میں حاضر گوبندؔ لال ہوگا

سورت شہر ولیؔ کو بہت پسند تھا۔ اُس کی تعریف میں اُس نے اپنی ایک مثنوی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ۴۷ شعر کہے ہیں۔ اُن اشعار میں اُس نے وہاں کے رہنے والوں کی تعریف، زمین کی زرخیزی کی تعریف، بازار، ندی نالوں اور صبح وشام کے علاوہ زندگی کی ہر ڈگر کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ سورت اُس کے لیے دنیا کی آنکھ کا نور تھا اور اُسے چشم بد سے دُور رکھنے کی دعایوں مانگی تھی ؎

جگت کی آنکھ کا گویا ہے نور
اچھوں اس نور سُوں ہر چشم بد دور

جیسا کہ آگے مذکور ہو چکا ہے ولیؔ دکنی کو کچھ دیر کے لیے گجرات چھوڑنا پڑا مگر وہ جدائی اُس کے دل کو بے حد شاق گذری۔ اسی ہجرت کے دوران دوستوں کی یاد اُسے تڑپاتی رہی۔ ہجر کی آگ جلاتی رہی، اپنے وطن کو یاد کر کے وہ آہیں بھرا کرتے، اس یقین کے ساتھ کہ اُنہیں پھر اپنے وطن کی بود و باش نصیب ہوگی۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

گجرات کے فراق سُوں ہے خار خار دل
بیتاب ہے سینے میں آتش بار دل

ولیؔ دکنی ایک جہاں گھوما لیکن بالآخر اُس نے اپنے ہی وطن کی سرزمین کی مٹی میں اپنا گھر بنالیا جس کو وہ جی جان سے چاہتا تھا۔ لگ بھگ تین سو برس قبل نیلی گنبد قبرستان کے قریب بنے ہوئے مزار میں وہ آسودہ ہوا۔ مزار پر چینی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے اُس وجہ سے اُس مزار کو چینی پیر کے مزار سے بھی جانا جاتا تھا مگر ——— مگر اب اُس مزار کا نام ونشاں بھی باقی نہیں ہے۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ ظالموں نے (گذشتہ گجرات دنگوں اور مسلمانوں کے قتل عام کے دوران) اُس شخص کے مزار کو ملیا میٹ کر دیا جس کو گجرات کے ساتھ بے حد پیار تھا۔ جسے گجرات کی جدائی خون کے آنسو رلاتی تھی۔ جس نے اپنی غزل سے گجرات کا نام روشن کر دیا اور جس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے رگ رگ میں گجرات کی محبت خون بن کر زندگی بھر دوڑتی رہی۔

ولیؔ دکنی بہت بڑا دل والا تھا مگر متعصب کٹر پنتھی بہت چھوٹے دل والا ثابت ہوا۔کون ولیؔ کے عزیز دوست گوبند لال کی ذریت اور کٹر پنتھی بے لگام جتھوں کو سمجھائے کہ شاعر ملک وقوم کا سرمایہ ہوتا ہے۔وہ جہاں بھی رہے پھول کی طرح مہکتا ہے اور شمع کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔ولیؔ کے مزار کا نام ونشان مٹانے والے اور اُس جگہ ہنومان کی مورتی ستھاپن کر کے اُس پر کامیابی اور فخر ومباہات کا جھنڈا گاڑنے والوں کو شاید علم نہیں کہ ولیؔ ایک مزار کا نام نہیں بلکہ وہ اپنی شاعری میں خود بھی زندہ رہے گا اور اُس گجرات کو بھی زندہ رکھے گا جس میں اُس کی مٹی کو بے آبرو کیا گیا ہے۔ولیؔ کے ہی الفاظ میں۔

جیوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم
جیوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم
ہر چند جگت کے بخت سیاہوں میں ہیں ولے
کاجل ہو جا بسے ہیں سجن کے نین میں ہم

زندوں کا نام نہاد بدلہ مردوں سے لینے والے یہ بات گرہ میں باندھ لیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے اور دہراتی رہے گی۔بلاشبہ ولیؔ کا مزار ملیا میٹ نہیں ہوا بلکہ گجرات کی آبرو سیاہ بختوں کے ہاتھوں ملیا میٹ ہوگئی، گجرات کا ناموس مٹی میں مل گیا اور تاریخ کا متحرک قلم لکھتا رہا۔وہ لکھتا رہا اُن کی تنگ نظری کی داستانیں، اُن کے تعصب کی کہانیاں، اُن کے کالی کرتوتوں کی روداد یں۔وہ لکھتا رہا اُن کی بربریت، وحشانہ پن درندگی اور حیوانیت کی حکایتیں۔وہ لکھتا رہا اُن کے ظلم وجبر اور سفاکی کے تذکرے۔ وہ لکھتا رہا پانچ اور چھ سالہ بچیوں کی عصمت دری کی وہ چیخیں جن کو سن کر عرش کے فرشتے بھی تھرا اُٹھے۔وہ لکھتا رہا ماؤں کی آہیں، بیواؤں کی کراہیں، تار تار عصمت کے آنسو کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دھارائیں، لٹی پٹی زندگیوں کی بے بسی، آباد مسکنوں کی بربادی، کھنڈروں پر ہوا میں جھولتے چیتھڑوں کی جھولیں اور نوجوانوں کے کٹے پھٹے بکھرے جسمانی اعضاء، خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں۔ وہ لکھتا رہا بچے کھچے اپاہج، اور بے عزت ہوئی عورتوں کی رفیوجی کیمپوں کی ہولناکی، ویران سوکھی آنکھوں پیڑی جمے ہونٹوں کی خون آلود دراڑیں، بھوک سے تلماتے بچوں کی گھٹی گھٹی اور دبی دبی چیخیں، ماؤں کی بے بسی، لاچاری اور بے کسی کے اندوہناک دن اور تاریک سسکتی دم توڑتی راتیں۔ اذیت ناک لمحات اور ترشول برداروں کے ہیبت ناک چہرے، کف اڑاتے ہوئے حیوانی تھوبڑے اور لہو برساتی ہوئی وحشت ناک آنکھیں۔

قلم لکھتا رہا گجرات کے قہر زدہ قصے، تاریخ اور قوموں کو شرمندہ کرانے والے واقعات، بلوائی خونی ناٹک کھیلتے وقت مسلمان ممبران پارلیمنٹ و اسمبلی کی خدمات کو بھی بھول گئے جو وہ اپنی قوم کو بھول کر صرف اُن کی راحت کے لیے کرتے تھے۔ اُن کے گھروں کو لوٹتے وقت اُن کو زندہ جلاتے وقت وہ اُن عظیم اور جمہور نواز انسانوں کو بھول گئے جنہوں نے سیاست سے اوپر اٹھ کر اپنے فرض کو مدنظر رکھ کر اُن کی ہر طرح سے مدد کی تھی، ہر دُکھ اور تکلیف میں اُن کا ساتھ دیا تھا۔ آگ و آہن کی ہولی کھیلتے وقت وہ اُن مسلمان پولیس افسروں کو بھول گئے جنہوں نے اُن کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کر کے اپنی قوم کے ساتھ چند موقعوں پر زیادتی بھی کی تھی۔ حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر کے اُن کی کوکھ میں موجود بچوں کو نکال کر فٹ بال کھیلتے وقت اور نوجوان معصوم بچیوں کی عصمت دری کرتے قت وہ بدبخت اُن مسرور کن جمہور ساعتوں کو بھول گئے۔ جب اُنہی بچیوں نے اُن کی کلائیوں پر راکھیاں باندھی تھیں۔ واہ خوب حفاظت کی اپنی بہنوں کی، خوب وچن نبھائے راکھی کے دھاگوں کے، وہ اُس شخص کو بھی بھول گئے جس نے ایک یتیم ہندو لڑکے کو پال پوس کر بڑا کیا، اعلیٰ تعلیم دلوائی، اُسے امریکہ بھیج دیا، مگر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس بھلے مانس شخص کو قتل کرتے وقت وہ سب کچھ بھول گئے۔ وہ باہمی خلوص اور ہم آہنگی کو بھول گئے۔ وہ رشتوں کو بھول گئے۔ وہ رفاقت اور قرابت کو بھول گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو صرف شر پسند اور متعصب، قاتل اور رجعت پسند ثابت کیا۔ خون آشام اور خونخوار ثابت کیا گرچہ اُن کے دعوے ہمیشہ کچھ اور ہی رہے تھے۔ انہوں نے اہنسا پرمودھرما کو کوئی پاس نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُس دعوے کی مٹی ہی پلید کی۔ انہوں نے ستیم، شوم، سندرم کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ انہوں نے "سب کو سمتہ دے بھگوان" کو یاد نہیں رکھا۔ افسوس یہ انسان کبھی کبھی کتنا وحشی ہو جاتا ہے اور انسانی اقدار کو ہی بھول جاتا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عالی ظرف عالی شان

کہیں ماں ہے کہیں بیٹی کہیں بیوی کہیں بہنا
ہر رشتے میں عالی ظرف عالی شان ہے عورت
(گوہر عثمانی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عالی ظرف عالی شان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انسانی سماج میں ایک عورت کا رول بہت ہی اہم اور انفرادی حیثیت کا ہوتا ہے اور اگر یہ بھی کہا جائے کہ عورت کے بغیر اس دنیا کا کینواس ہی بے شکل و بے رنگ ہے تو ایسا کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔ عورت ایک مرد کے سامنے ماں، بیوی، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، مامی، چاچی وغیرہ کے روپ میں آتی ہے اور ہر حیثیت میں اپنے آپ کو منوا کر اپنا کردار خوش اسلوبی سے نبھاتی ہے۔ مرد بھی باپ، بھائی، چاچا، شوہر وغیرہ کی حیثیت سے عورت کے روبرو ہوتا ہے مگر سماجی، قبایلی اور ملکی قانون اُس پر اُس انداز سے نافذ نہیں ہوتے جیسے کہ ایک عورت پر ہوتے ہیں۔ اب اسی بات کو لے لیجئے کہ ایک گھر میں بہو آتی ہے۔ مرد نے شادی کی اور چند دن کی مصروفیات میں رہ کر یا شادی کے ہنگامہ خیز مصروف اور رومان پرور لمحات گذار کر وہ پھر معاشی چکروں یا نوکری چاکری کے گٹھ بندنوں کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ مگر عورت یا بہو کو خاص طور سے ہمارے سماج میں یا مشترکہ گھرانوں میں ساس سسر کی فرمانبداری بھی کرنی ہے، شوہر کی خدمت گذاری بھی کرنی ہے۔ اپنے بھائی بہنوں کو چھوڑ کر نئے گھر میں دیور، نند کو بھائی بہن کا پیار بھی دینا ہے۔ ساس سُسر کے بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں، بھانجے، بھانجیاں آئیں یا جیٹھ، جیٹھانی، نند، نندوئی اور اس طرح کے دیگر رشتہ دار گھر میں آئیں تو اُن کے ساتھ حسبِ رشتہ اور حسبِ مراتب آؤ بھگت کرنی ہے، سلوک کرنا ہے اور اُن کی مہمان نوازی کرنی ہے۔ مرد کے ساتھ ایسا کچھ بھی لگا بندھا نہیں ہے اور موجودہ وقتوں کے دستور کے مطابق اگر عورت ملازمت میں یا اپنے طور سے کسی صنعتی یا کاروباری یونٹ کی آزدانہ سربراہ ہوئی تو اُسے وہ بھی دیکھنا ہے اور گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش کو بھی نظر میں رکھنا ہے۔ ٹھیک ہے گھر میں ملازم، نوکر وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں مگر اصل ذمہ داری تو مالکن کی ہی ہوتی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عورت کا دوسرا آزمائشی دور بچوں کی پیدائش کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے پر اور باتوں کے علاوہ اُسے ماں کا کردار بھی نبھانا پڑتا ہے۔ یہاں پر عورت کو بے انتہا جسمانی اور روحانی تکالیف اور دردزہ کے صبر آزما لمحات کے طفیل ایک ایسی انمول شئے ایک ایسی نعمت جس کو پانے کے لیے زاہدوں کی عمر بھر کی انتھک عبادت و ریاضت بھی ناکافی ہے، خود بخود قدموں تلے آجاتی ہے۔ گویا رب جلیل بھی عورت کو اُس کی بے انتہا قربانیوں اور جانفشانی وصبر وتحمل کے عوض ایک بلند و بالا اور اولوالعزم منصب عطا کرتا ہے کیونکہ وہ ماں ہو جاتی ہے۔ دنیا کی بے شمار زبانوں کا ایک مشترکہ لفظ، پُرکیف، مسرور کُن اور نفسیاتی لفظ جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اولادِ آدم کسی بھی معاشرے کا ہو، کسی بھی رنگ ونسل اور سبھاؤ کا ہو، کسی بھی ملک اور ذات برادری کا ہو، ماں کا شیرین لفظ کانوں میں پڑتے ہی اُس کے آگے جیسے جلترنگ بجنے لگتی ہے۔ ایک مسرور کُن لاہوتی نغمے سے وہ سرشار ہو اٹھتا ہے۔ جنوبی امریکہ میں اِکوی ڈور کے اطراف کے جنگلوں میں دو قبیلے رہتے ہیں جن میں کورو بواب کچھ متمدن ہو گئے ہیں مگر اروبوا ابھی بھی مادرزاد ننگے رہتے ہیں۔ حیران کُن بات یہ ہے کہ وہ بھی اپنی جنگلی زبان میں ماں کو مائی ہی پکارتے ہیں۔

چونکہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہی ہوتی ہے اس لیے جیسی بھی ماں کی سوچ، سطح فہم وادراک، عادات واطوار اور پسند ناپسند ہوگی ویسی ہی تربیت بچے کو دودھ یا جین کے ساتھ ہی منتقل ہوتی رہے گی۔ ماں نونہالوں کو پرورش کے دوران جس طرح کی تربیت دے گی، جس سانچے میں ڈھالنا چاہے گی ویسی ہی پود وجود میں آئے گی۔ اچھی تعلیم وتربیت ہوگی تو اچھی بااخلاق پود ہی نکھر کر سامنے آئے گی۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ دنیا کے بیشتر مشاہیر نے باپ کی غیر موجودگی میں اور ایام یتیمی میں ہی ماؤں کی گود میں رساذہن اور بلند اخلاق کے ساتھ ساتھ علم وادب کے معرکوں کی ابتدائی تربیت پائی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ چونکہ ماں کا اثر باپ کی بہ نسبت بچے پر زیادہ اور گہرا ہوتا ہے۔ اس لیے ماں کی بہتر تربیت اُسے اچھا بنا سکتی ہے اور بصورت دیگر بگاڑ بھی سکتی ہے۔ قاتل، لٹیرے، چور، اُچکے بھی ماں کی اولاد ہوتے ہیں اور مصلح قوم، دردمند دل علماء بھی ماؤں سے ہی جنمے ہوتے ہیں۔

عورت کے بارے میں مختلف لوگوں کی مختلف آرا ہیں کسی کا کہنا ہے کہ عورت ایک پاکیزہ فردوسی نور ہے جس کی شعاعیں گوشے گوشے کو منور کرتی ہیں۔

ایک عالم کا کہنا ہے کہ عورت شبنم کا نازک اور شفاف قطرہ ہے۔ اناطول کا کہنا ہے کہ عورت پُر اسرار ہوتی ہے اور راز و نیاز کی الف لیلیٰ۔

ٹیگور کی رائے ہے کہ عورت جب تک زندہ ہے وہ محبت اور ہمدردی کا سرچشمہ ہے۔

ایک مفکر کہتے ہیں کہ عورت مرد کا ایک ایسا خواب ہے جس سے بیداری کے بعد مرد اکثر پریشان رہتا ہے۔ ایک اور صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کی فطرت خاموش ہے، زبان مظلوم ہے۔ مگر انتہائی مظالم سہنے کے باوجود بھی مرد پر حاوی ہے۔

جی ہاں ——— عورت کرۂ ارض پر آنے والی قوموں کی نقیب ہے۔

عورت قدرت کی طرف سے مرد کے لیے سب سے بڑا اور عظیم عطیہ ہے۔

عورت باغِ آدم کا ایک حسین، دلفریب اور مہکتا ہوا پھول ہے۔

عورت گھروں کی رونق، سماجوں کی عزت، قوموں کی امین اور ملکوں کی بقا ہے۔

عورت جھیلوں کا سکوت اور مرگوں کا سکون ہے۔

عورت گلستان کی رعنائی، پھولوں کی مہک، کوئل کی چہک اور محبتوں کی سوداگر ہے۔

عورت جھرنوں کا ترنم، آبشاروں کا سنگیت اور ندیوں کی روانی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عورت کے دم سے دنیا کی ساری رونقیں درخشاں اور تاباں ہیں۔ بہاروں کی مستی، نظاروں کی دلفریبی اور قوسِ قزح کے رنگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر عورت کا روپ دھارن کیا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ عورت نبیٔ رحمت ﷺ کی نظروں میں محترم ہے۔

عورت آوارہ ہو یا عفت مآب، کلٹا ہو یا پردہ نشین، پھوہڑ ہو یا سلیقہ مند، کم گو ہو یا زبان دراز لالچی ہو سخی، گوری ہو یا کالی مگر ——— مگر اپنی اولاد کے لیے وہ ہر صورت میں صرف ایک ماں ہوتی ہے ——— ماں

بقولِ گوہر عثمانی ؎

کہیں ماں ہے کہیں بیٹی کہیں بیوی کہیں بہنا
ہر اک رشتے میں عالی ظرف عالی شان ہے عورت

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھر دے جھولی اللہ نام

جس کو بیان کر نہ سکے داستان گو
تحریر ہوسکے گا کہاں وہ ادیب سے
(رؤف راحتؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھر دے جھولی اللہ نام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ عرصہ قبل میں نے اپنے ایک کالم میں یہود کے بارے میں لکھا تھا:

''جنگی اعتبار سے اُن کے سر پر عالمی دہشت گرد امریکہ کا ہاتھ ہے اور مالی (Financially) اعتبار سے مسلمان اُن کی پرورش اور اُن کی ہر ضرورت پوری کر کے اپنی تباہی خود ہی اپنے اوپر مسلط کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان ذرا سی بھی دانش مندی کا ثبوت دیں گے تو یہود نام ہی نام رہے گا اور اُس کا وجود نالی کے کیڑے سے بدتر ہو جائے گا''۔

مجھے اپنی سابقہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس ضمن میں عرض یوں ہے کہ سارا عربین گلف دیوانوں کی طرح اپنی روزمرہ زندگی میں چار چیزوں کا بے انتہا استعمال کرتا ہے وہ ہیں پیپسی جس کو عربی بیپسی اور ایشین خاص طور پر ہندو پاک اور کشمیر کے لوگ مذاقاً بے بسی کہتے ہیں۔ دوسرا کوکا کولا تیسرا میکڈونالڈ کا برگر اور چوتھا کے ایف سی کا جنک فوڈ۔ یہ چاروں چیزیں جہاں بنتی ہیں اُن کمپنیوں کے مالک یہود ہیں۔ سعودی عربیہ میں میکڈونالڈ کی شاخیں یا دوکانیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ آپ مانیں یا نہ مانیں اگر صرف یہ چار چیزیں عرب ورلڈ میں بائیکاٹ ہو جاتی ہیں تو صرف چند دنوں کے اندر اسرائیلی دیوار گریہ کے سامنے زار و قطار واویلا کرتے نظر آئیں گے۔ اس بات پر کہ اُن کی مکاری میں ضعف آنے لگا ہے۔

ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی وادی میں ایک فہرست شائع ہوئی تھی جس میں یہود کی تیار کردہ پانچ دس اشیا کے نام درج تھے جن کو بائیکاٹ کرنے کی اپیل تھی حالانکہ اُس سے قبل میں نے اپنے کالم لحم لالخنیز میں بیسیوں روزمرہ کے استعمال میں آنے والی چیزوں کی نشاندہی کی تھی جن میں سور کی چربی استعمال ہوتی ہے۔ میرے خیال میں کوئی ٹس سے مس بھی نہ ہوا ہوگا اور اسی طرح سعودی عربیہ کے شہرین شریفین میں کئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایسی اشیاء ہیں جو یہود کی تیار کردہ ہیں اور لوگ بے دریغ اور بلا تحقیق استعمال میں لاتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر سو چیزوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف دو چیزوں کا عربین گلف میں نہی ہو جائے تو یہود اناج کے چند دانوں کے لیے دیوار گریہ اور ہیکل کا بھی سودا کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور وہ ہیں پیپسی اور مرسیڈیز موٹر کار۔ ان دو چیزوں سے اتنا منافع ہوتا ہے کہ یہود نے اپنی سلطنت کی دیواریں مضبوط تر کھڑی کر دیں ہیں کیونکہ عرب ان چیزوں کے دیوانے ہیں۔

ان باتوں سے فی الحال صرف نظر کرتے ہیں اس بات کو لیجئے کہ عرب ممالک کا کروڑوں ٹریلین ڈالر کا سرمایہ امریکی اور سویس بنکوں میں جمع ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے عربوں نے حاشا وکلا کوئی نفع نہیں کوئی سود نہیں کیونکہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ مگر وہ بنک اس پیسے کو آگے سود پر دے کر خوب خوب کما کر آبِ حیات نوشِ جاں کرتے ہیں۔ بیشتر بنک یہود کے ہیں اُن کی تو پانچوں گھی میں ہیں۔ وہ عربوں کے پیسے سے لکھ پتی اور ارب پتی بنتے ہیں اور عربوں کو اس غیر محفوظ پیسے کا کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ وہ امریکہ اور یہود سے کروڑوں ڈالر منافع کی رقم لے لیتے، بے شک خود پر اور ملک پر خرچ نہ کرتے۔ روانڈا اور ایتھوپیا کے بھوک سے مر رہے قحط زدہ اور غریب لوگوں کو بچاتے۔ برما میں بودھوں کے دستِ تطاول سے کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنے اور زندہ رہنے والے روہنگیا مسلمانوں کے اُترے چہروں پر ہاتھ پھیر کر اُن کو زندہ رہنے کی اُمید دلاتے۔ چین میں یغور طبقے کے مسلمانوں کو سرخ انقلابیوں اور مارخور بے دین لوگوں کے مظالم سے چھڑاتے۔ کیا اسلام نماز، روزے اور حج کا نام ہے بس۔ کیا حقوق العباد کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر بودھ مظالم سے برما میں صرف ایک مسلمان مرتا ہے تو ٹیس عالم اسلام کے سینوں میں اُٹھنی چاہیے تھی۔ میرے خیال

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں وہی اسلامی تعلیم اور صحیح دینی سپرٹ ہے۔

اس بات سے سب واقف ہیں کہ دنیا میں مجموعی طور پر اسی فیصد اور امریکہ میں بالخصوص اٹھانوے فیصد پریس اور الیکٹرانک میڈیا یہود کی ملکیت ہے۔ وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کی کردار کشی کرتے رہتے ہیں اور ہر برائی کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ مگر بیشتر قارئین کو شاید یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ دنیا بھر میں جتنے بھی بڑے بڑے اور بدنام زمانہ قحبہ خانے اور فحاشی کے اڈے ہیں، جتنا بھی زندہ گوشت کا کاروبار ہوتا ہے وہ سب یہود کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ یہود کے ادارت کے تقریباً چالیس فیصد رسائل و جرائد عرب ورلڈ میں پڑھے جاتے ہیں۔ کیا وہ یہود کی اعانت نہیں ہے۔

اب ایک چونکا دینے والی بات سُنیے۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ مسلمان یہود کو تخریب کاری، نقصِ امن، اغوا کاری، قتل و غارت اور وہ بھی مسلمانوں کا خونِ ناحق بہانے کے لیے روزانہ لگ بھگ اٹھان کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ سے مدد کر رہے تو شاید آپ میرے حواس پر شک کریں گے۔ موجودہ وقتوں میں چالیس کروڑ سے زیادہ مسلمان (خاص کر عرب دنیا کے) یہودی کمپنیوں کی بنائی ہوئی چیزیں خاص طور پر سگریٹ، کوکا کولا اور فوڈ آئیٹمز روزانہ استعمال کر کے اسرائیل کی مدد اس طرح کر رہے ہیں کہ وہ کمپنیاں اپنے نفع کا دس فیصد اسرائیل کی تخریب کار تیاریوں کے لیے ادا کرتے ہیں۔ اس طرح سے مسلمانوں سے ہی دوسرے مسلمان کا عرب ورلڈ میں قتل عام ہو رہا ہے۔

ایک بار امریکہ کی سی آئی اے نے انکاف کیا تھا کہ فلپ مورس اور کوکا کولا بنانے والی دو کمپنیاں سگریٹ اور مشروبات بناتی ہیں جو مسلمان ممالک کے زائد از چالیس کروڑ مسلمان استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح سے فلپ مورس روزانہ آٹھ سو ملین ڈالر کماتی ہے جس میں سے کمپنی کو دس فیصد نفع ہوتا ہے اور اس نفع میں سے بارہ فیصد کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حساب سے 9.6 ملین ڈالر روزانہ مسلمان سگریٹ نوشی کر کے اسرائیل کو ادا کر رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کولڈ ڈرنک تیار کرنے والی سب سے بڑی کمپنی کوکا کولا سن ۱۹۹۶ء سے اسرائیل کی ایک بہت بڑی معاون کمپنی ہے۔ دنیا کی دوسری ملٹی نیشنل کمپنی میکڈونالڈ جس کے دنیا کے ایک سو بیس سے زیادہ ملکوں میں زائد از اٹھائیس ہزار ریسٹورنٹ ہیں۔ یہ کمپنی اسرائیل کو مالی معاونت کرنے والا تیسرا بڑا ہاتھ ہے۔ اور انہی کمپنیوں کی تیار کردہ اشیاء استعمال کر کے مسلمان شاید غیر دانستہ طور اسرائیل کو مالی معاونت دے کر یہود کی پرورش کر کے اُن کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں۔

اگر مسلمان خاص طور پر عربی ذرا سا بھی اپنی شاہزادگی کی عینک اتار کر اور اپنی تن آسانیوں کو چھوڑ کر ایک بار پھر طارق بن زیادؒ کی طرح اپنے پیچھے اپنے جہازوں کو آگ لگا کر ایوبیؒ جوش و جذبے کے ساتھ یوسف بن تاشفینؒ کا چولا زیب تن کریں گے تب ضرور حضرات خالد بن ولیدؓ، محمد بن قاسمؒ اور مہدی سوڈانیؒ کی روحیں جنت کے دریچوں کے قریب آ کر ملکوتی مسکراہٹ کے ساتھ آفرین و مرحبا کی صدائیں بلند کریں گی اور صرف ایک ہفتے کے بعد نیتن یاہو کشکول گلے میں ڈال کر عرب کے بازاروں میں کہتا ہوا ملے گا ع

بھر دے جھولی اللہ نام

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ تو شرم کرو

کوہِ ندا کے سحر میں تھا گُم تمام شہر
اور شہر کے فسوں میں گرفتار ہم بھی تھے
(وزیر آغا)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ تو شرم کرو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وزیر آغا صحافی، شاعر، نثر نگار اور دانشور کی پیدائش ۱۷ مئی ۱۹۲۲ء کو وزیر کوٹ سرگودھا موجودہ پاکستان میں ہوئی تھی اور اُن کا انتقال زائد از اٹھاسی برس کی عمر میں ۸ ستمبر ۲۰۱۰ء کو لاہور میں ہوا۔ اُن کا ایک شعر ہے ؎

کوہِ ندا کے سحر میں تھا گم تمام شہر
اور شہر کے فسوں میں گرفتار ہم بھی تھے

کیا آپ نے کوہِ ندا سے آنے والی آواز سنی ہے، نہیں نا! میں نے بھی نہیں سنی ہے۔ زمانہ ہوا حاتم طائی نے وہ آواز سنی تھی۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اگر حاتم طائی آج کل کے موجودہ زمانے میں ملک کے الیکٹرانک میڈیا کی آواز سنتا تو وہ اپنے اُن پریوں، پریزادوں اور جنوں کو بھول کر میڈیا کے قیامت جن کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرتا۔ کیونکہ عقل پراگندہ ہو جاتی ہے کہ میڈیا ہر معاملے میں خاص طور پر مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بے جا ٹانگ کیوں اڑاتا ہے اور ہر معاملے کی پیشگی اطلاع اُن کو کیسے ہو جاتی ہے۔ یقین ہو جاتا ہے کہ اُن کے پاس ضرور کوئی جن ہوگا جو ہر معاملے اور ہر بات کی قبل از وقت اطلاع اُن کو کرتا ہے۔ اب دیکھئے نا بچہ کنویں میں گرتا ہے پھر وہ دور دراز گاؤں ہی کیوں نہ ہو تو قیامت جن کے کندھوں پر سوار ٹی وی حاضر۔ مسلمانوں سے متعلق کوئی ادنیٰ سی بات ہو تو اُس کو اچھالنے کے لیے اُن کی خدمات حاضر۔ کوئی عسکری معاملہ وقوع پذیر ہو جائے پھر وہ ڈاکوؤں کی لوٹ مار یا سدبھاونا ایکسپریس میں بم وسفوٹ ہی کیوں نہ ہو میڈیا اُسے کشمیری آتنگ واد بنا کر چھوڑتا ہے۔ کہیں بم پھٹے، کہیں کسی حملے کی کوشش کی جائے، کوئی معمولی یا غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہو جائے تو میڈیا اپنی قیامت والی چال اور رفتار کے ساتھ اُسے پاکستان کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور اُس کے ڈانڈے مسلمانوں کے ساتھ ملاتا ہے پھر وہ ہندوستانی ہوں یا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیری مسلمان۔ یہ واقعی کمال کی بات ہے کہ اتنی برق رفتاری اور سُرعت کے ساتھ مسلمان کو ہر ایک تخریبی کاروائی کے ساتھ جوڑا جاتا ہے اتنی جلدی یہود بھی مسلمانوں پر حملہ بول دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے ہیں۔ اُنہیں بھی تو کوئی خبیثانہ کاروائی کرنے کے لیے پلان ترتیب دینے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہوگا۔ ابھی حال ہی میں فرانس کے گستاخانہ پریس پر جو حملہ ہوا تو انہوں نے بھی فٹ سے کسی کا نام نہیں لیا۔ پوری چھان بین کرنے کے بعد حکومت نے یمن سے آئے ہوئے حملہ آوروں کے بارے میں بتایا مگر یہاں کوئی بھی واقعہ ہو جائے صرف چار منٹ کے بعد مسلمان این لسٹ (Enlist) ہو چکے ہوتے ہیں۔

میڈیا لوگوں کی ترجمانی کرنے، اُن کے دکھ درد دور کرنے اُن کی تکالیف کا ازالہ کرنے بلکہ انصاف دلوانے کا ایک معتبر ذریعہ اور موثر سادھن ہے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ میڈیا کا روپ جانب دارانہ ہے۔ کچھ چینلوں کے اینکر اب اتنے خودسر اور مغرور ہو گئے ہیں کہ وہ ہر برائی میں بغیر تحقیق و تفتیش کے مسلمانوں کو ہی موردِ الزام ٹھہرا کر ملوث کرتے ہیں اور تجزیہ، تبصرہ، بحث و مباحثہ میں مدعو شریکِ گفتگو کے منہ میں یہ حجت وہ بات ڈال دینے کی از حد کوشش کرتے ہیں جو بات وہ دنیا کو سنانا چاہتے ہیں۔ ابھی اسی بات کو لے لیجئے کہ گیارہ نو کا واقعہ امریکی تاریخ کا ایک اہم باب بن کے رہ گیا ہے حالانکہ صداقت یہی ہے کہ امریکی پالیسی سازوں نے اُس سکینڈل کو خود ہی تخلیق بھی کیا، ترتیب بھی دیا اور خود ہی واویلا مچا کر مختلف ممالک کے سینکڑوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ بھی اُتار دیا۔ حالانکہ اُس کے اپنے کئی اداروں نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ یہ کوئی ادارہ یا تنظیم یا جماعت نہیں کروا سکتی تھی بلکہ یہ بذاتِ خود امریکی حکومت کا کارنامہ ہے۔ بہر حال عرض کر رہا تھا کہ جب وہ واقعہ ہوا تو سٹار ٹی وی نے اُس سے قبل ایک سال کشمیر یونیورسٹی میں ہوئے ایک طربیہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجلس کو دکھا کر یہ کمنٹری کی تھی کہ کشمیر کے مسلمان اُس المناک حادثے پر خوشیاں منا رہے تھے۔ اب ذرا سوچیے خود ہی انصاف کریئے کہ اُس جھوٹے الزام سے مسلم دشمن امریکہ نے کیا تاثر لیا ہوگا اور سیدھی سی بات ہے جب بھی ہماری بات کسی ایوان میں زیر بحث آئے گی تو امریکہ ظاہر ہے کہ منفی رویہ اختیار کر کے اپنے پاس رکھے شیطان ویٹو پاور کا استعمال کرے گا اور ہماری بات وہیں کی وہیں رہ جائے گی۔

یہی حال فلموں کا ہے۔ جب بھی کوئی بہت ہی گرا ہوا اور اُوچھا کردار دکھانا مطلوب ہوتا ہے تو اُسے مسلمان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ مبادا کہ کم علم اور عام جنتا کو پہچان کرنے میں کوئی غلط فہمی نہ ہو اُس کردار کو ایک تعویذ بھی پہنایا جاتا ہے۔ چونکہ تعویذ ہندوستان میں اور لوگ بھی پہنتے ہیں اس لیے استثنا (Catagorize) کرنے کے لیے مسلمان کردار کو کالے یا سبز کپڑے میں لپٹا تعویذ پہنایا جاتا ہے۔ اس بیماری میں مدراس فلم ساز بھی پیچھے نہیں ہیں۔ اب جو بھی ایسے کردار پیش کر کے سارے ملک کو تعصب، قوم پرست اور مسلمانوں کے ساتھ نفرت کرنا سکھاتا ہے اُس کی عقل پر یقینی طور ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیونکہ آج کل موبائیل، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور ہائی فائی ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ سائنس کی ایجادات اور موشگافیاں اپنی معراج پر ہیں۔ آج کل کے مسلمان کو ہندوستان میں گرچہ پاؤں کے نیچے دبا کر تیسرے درجے کا شہری بنا کر رکھ دیا گیا ہے مگر سارا گلوب صرف ہندوستان ہی نہیں ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں کون تعویذ پہنتا ہے اور فی المثل اگر دور دراز اجڑے پچھڑے علاقوں میں کوئی فیشن کے طور پر پہنتا بھی ہے مگر ممبئی جسے ہر دور میں ''عروس البلاد'' کہا جاتا تھا وہاں کے ''پی کے'' جیسی فلمیں بنانے والے روشن خیال فلم سازوں کو اپنے دماغ میں لچر خیالات کا کچرا نہیں رکھنا چاہیے تھا کیونکہ انہوں نے بھی کبھی اپنے ملک کے عزت مآب سربراہوں جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، فخرالدین علی احمد، ڈاکٹر ابوالکلام،

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر حامد انصاری وغیرہ کو جھک جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر سلام کئے ہوں گے۔ کیا وہ بھی کالی یا ہری دھجی میں لپٹا تعویذ پہنتے تھے۔ ترقی یافتہ دنیا کے لوگ آپ کی تنگ نظری اور تعصب کی کھلی اڑا رہے ہیں کیونکہ اس ڈھنگ کے تجاہل عارفانہ میں آپ دنیا بھر میں سرفہرست ہیں۔

چھوڑو یہ دل لگی ڈھیٹ نہ بنو کم از کم کچھ تو شرم کرو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شمعِ فروزاں

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی
(حسرت موہانی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شمعِ فروزاں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کانپور میں عمارتی لکڑی کے ایک سوداگر ایک بار ایک مولانا سے ملنے کے لیے گئے جن کے وہ نیاز مند بھی تھے اور کبھی کبھی اکتساب علم و اخلاق کی خاطر اُن کی مجلس میں آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ وہ آ کر اُن کے ڈیسک کے سامنے بچھے ایک پھٹے پرانے بوریے پر بیٹھ گئے۔ مولان کچھ لکھ رہے تھے اور اُن کی پُشت پر ایک پھٹا پرانا پردہ لٹک رہا تھا جس کے پیچھے وقفے وقفے سے ہاتھ لے جا کر مولانا کچھ نکالتے، منہ میں ڈالتے اور ڈیسک پر پڑی گڑ کی ڈلی سے تھوڑا سا گڑ کاٹ کر کھا لیتے۔ وہ لکھتے بھی جاتے تھے، سوداگر کے ساتھ گفتگو بھی کرتے جاتے تھے اور کھانے کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھے ہوئے تھے۔ سوداگر خاموشی کے ساتھ اس منظر کا مشاہدہ کر رہے تھے آخر جب ضبط نہ ہو سکا تو مولانا سے گذارش کی کہ "آپ کیا کھا رہے ہیں کچھ اس خادم کو بھی صدقہ کر دیجئے"۔ مولانا نے مسکرا کر پردے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر مٹی کا ایک برتن نکالا جس میں خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تیر رہے تھے جن کو مولانا بھگو کر کھا رہے تھے۔ مولانا نے برتن سوداگر کے سامنے کرتے ہوئے کہا "لو کھا لو اگر کھا سکتے ہو۔ فقیروں کا کھانا تم رئیس لوگ نہ کھا سکو گے۔ آج تیسرا فاقہ تھا۔ شکر ہے اللہ کا خشک روٹی میسر آ گئی، بڑی تسکین ہو گئی، راحت محسوس ہوئی"۔

آپ ضرور اُن صحابہؓ صفت مولانا کا نام جاننا چاہیں گے۔ جی ہاں! وہ حسرت موہانی تھے۔ اُن کی شخصیت ایک ایسے ہیرے کے مانند تھی جس سے ان گنت شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔ وہ شاعر بھی تھے، نقاد و قلم کار بھی، سیاسی راہنما بھی اور جنگ آزادی کے ایک بے بدل سپاہی بھی۔ اُن کی سادہ زندگی کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ ایک مثالی انسان، صوفی منش، بزرگانِ دین سے محبت رکھنے والا انسان اور ایمان و ایقان کے ساتھ اخلاقی اقدار کا پیکر۔ اُن جیسا صحابیانہؓ طبیعت رکھنے والا نرالا انسان شاید ہی بیسویں صدی میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی اور ہوا ہو۔ بقول سید سلیمان ندوی ''حسرت موہانی پکے دیندار مسلمان تھے۔ وہ کانگریسی بھی رہے اور اپنے آپ کو سوشلسٹ بھی کہتے رہے مگر بچپن سے موت تک وہ پکے اور سچے دیندار مسلمان رہے''۔

مولانا حسرت موہانی کے کردار کی بلندی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی روشن مذہبی روایات اور بلند اخلاق و اقدار پر اس سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو ہی نہیں سکتے تھے اگر اُن کے دل میں ایمان و ایقان کی شمعیں فروزاں نہ ہوتیں۔ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ کا بڑا نازک اور صبر آزما زمانہ پایا۔ مغربی استعمار جنوں و دیوانگی اور ظلم و بربریت کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا اور ہندوستان میں ہر طرف اُبھرنے والی آزادی کی آوازوں کو پوری قوت کے ساتھ کچل دینے بلکہ مٹانے کے لیے کمر بستہ تھا۔

حسرت موہانی فقط ۲۷ سال کی عمر میں سن ۱۹۰۸ء میں جیل میں ڈال دیئے گئے اور انہوں نے وہاں جو تکالیف برداشت کئے اُن کے معلوم ہونے سے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جیل میں ہی اپنی غمزدہ باپ کی وفات کی خبر سنی اور ماہ صیام کا مہینہ اس عالم میں گذارا کہ نہ سحری کا انتظام تھا اور نہ افطاری کا بندوبست۔ اوپر سے سزا کے طور پر روزانہ دو من گیہوں چکی پر پیسنے کی جان توڑ مشقت تھی۔ ان حالات میں بھی اُس مضبوط ایمان، عالی حوصلہ اور بلند کردار مردِ مومن کے اندر کوئی کم ہمتی پیدا نہ ہوئی اور پائے صبر و سکون میں کوئی لغزش نہ آئی۔ حالانکہ ایسے حالات میں بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور مضبوط ارادے جواب دے جاتے ہیں۔ مگر اُس باحوصلہ سنگی اعصاب کے مالک کا پھر بھی یہی کہنا تھا کہ ؎

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مولانا حسرت موہانی نے اپنی پوری زندگی بڑی سادگی کے ساتھ بسر کی۔ آزادی کے بعد جب وہ قانون ساز اسمبلی کے ممبر تھے۔ وہ امیروں، وزیروں اور دیگر ممبروں کے معیار کی زندگی گذار سکتے تھے یا کم از کم آسودہ خاطر ہو کر رہ سکتے تھے۔ مگر اُس وقت بھی اُن کی بود و باش اور طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسمبلی سیشن کے ایام میں پارلیمنٹ کے قریب کی مسجد میں رات گذارتے اور کسی سستے ڈابے میں کھانا کھالیتے تھے۔ سر پر چوگوشہ سفید رنگ کی قلندرانہ قسم کی ٹوپی رکھتے اور شیروانی کی بجائے ایک پُرانا کوٹ پہن کر بے پروائی کے ساتھ نام و ننگ اور شان و شوکت کو ٹھوکر مارتے تھے۔ قانون ساز اسمبلی میں اپنی خاص بلکہ منفرد ادا کے ساتھ اور سب سے الگ اپنا موقف اختیار کر لیتے تھے۔ اُن کا حال یہ تھا کہ جائز طور پر ملنے والی رقم کو بھی وہ لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ ریڈیو والوں کا کہنا ہے کہ جب لکھنو ریڈیو پر پروگرام ریکارڈ کراتے تو فارم یہ کہہ کر واپس کر دیتے تھے کہ میرا تو صرف تین آنہ (بیس پیسے) کانپور سے لکھنو تک پسنجر ٹکٹ میں خرچ ہوگا اور آتے وقت تو میں برف کے ڈبے میں سی آئی ڈی والوں کی بدولت مفت میں بیٹھ کر آیا ہوں اس لیے اس سے زیادہ لے کر میں گنہگار کیوں ہو جاؤں۔

مرحوم رشید احمد صدیقی نے ایک بار پی ایچ ڈی کے وایوا کے لیے یونیورسٹی میں مدعو کیا۔ آئے وایوا کیا مگر معاوضے اور ٹی اے وغیرہ کا بل فارم یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں تو اپنے کام سے دہلی جا رہا تھا۔ اب اگر راستے میں اس معمولی کام کے لیے رُک گیا ہوں تو سفر خرچ وغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو، جو اُن کا بے حد احترام کرتے تھے، نے اُن کو بارہا اپنا حلیہ درست کرنے، دیگر سہولیات حکومت کی طرف سے فراہم کرنے، یا اسی طرح کے دیگر معاملات میں مدد کرنے کی پیشکش کی مگر انہوں نے ہر بار بات کو ایک کان سے سنا اور دوسرے سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نکال دیا۔ اُن کے بارے میں سید سلیمانؔ ندویؒ کا یہ قول کتنا جامع اور برحق ہے کہ ــــــــ

''اس عہدِ پُرفریب میں حسرتؔ موہانی سے زیادہ کسی حق گو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چھوٹی چھوٹی مگر بڑی باتیں

اب یہ تیرا ذوق ہے تو جس نظر سے دیکھ لے
یہ جہاں گلزار بھی ہے اور ویرانہ بھی ہے
(نریش کمار شاد)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چھوٹی چھوٹی مگر بڑی باتیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لوگ عام طور پر بڑے بڑے سکینڈلوں کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں کیونکہ جب بار بار اور متواتر ٹی وی گھنٹوں ایک ہی بات کو دہراتا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک تو آدمی کا دھیان اُس طرف ہو جاتا ہے اور دوسرے وہ بات ذہن میں بھی محفوظ ہو جاتی ہے۔ گویا ہم خود سے توجہ مرکوز نہیں کرتے بلکہ ہماری توجہ جبراً مرکوز کرائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بوفورس، کوئلہ، اسٹامپ پیپر، یوپی اور اسی نوعیت کے دیگر سکینڈلوں کے بارے میں ہم باخبر رہتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے سکینڈل بھی کھلی دھوپ اور کھلی آنکھوں کے سامنے ہو جاتے ہیں جو ہوا کے جھونکے کی طرح ہمارے سامنے سے کھسک جاتے ہیں اور لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سکینڈل ہو سکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اُن کی پرزنٹیشن (Presentation) اس انداز کی ہوتی ہے کہ لوگ کوئی غیر معقول بات اُن کے ساتھ منسوب کر ہی نہیں سکتے یا کوئی غلط بات سوچ ہی نہیں سکتے۔

جولائی سن ۲۰۰۶ء میں پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک تین سالہ بچہ ایک فٹ چوڑے اور چالیس فٹ گہرے کنویں میں گر پڑا۔ بچے کو بخیر وخوبی باہر نکالنے کے لیے فوج سے مدد طلب کی گئی اور ٹی وی کیمرہ دن رات اُس حادثے کو کور (Cover) کرتا رہا۔ اور آخر کار پچاس گھنٹوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد بچے کو باہر نکالا گیا مگر بعد میں اُس کو دکھایا نہیں۔ یہ میں نہیں بتا رہا ہوں بلکہ یہ ٹی وی متواتر اور مسلسل پچاس گھنٹے تک بتا بھی رہا تھا اور دکھا بھی رہا تھا۔ اس واقعہ کو گرچہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کروڑوں لوگوں نے براہ راست (Live) دیکھا۔ ہر طرح کی ہمدردی بچے کے والدین سے جتائی، مدد کرنے کا وعدہ کیا اور تو اور ایک صاحب نے دس سال تک بچے کی تعلیم وتربیت پر خرچے کا بار اٹھانے کا ذمہ لیا وغیرہ وغیرہ۔ وہ بات ہی اصل میں اس نوعیت کی تھی کہ لوگ جذباتی بن جاتے تھے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اس واقعے کے ساتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جڑے کئی سوال ذہن میں لازمی طور پر پیدا ہو جاتے ہیں۔

پہلا سوال تو یہی ہے کہ ایک فٹ کی چوڑائی واقعتاً معمولی سی ہوتی ہے اور اگر ایک تین سال کا بچہ اُس چوڑائی والے چالیس فٹ گہرے کنویں (نالی کہنا زیادہ مناسب ہوگا) میں گر پڑتا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ سیدھا پیروں کے بل ہی گر پڑے اور چالیس فٹ کی گہرائی میں جا کر سیدھا کھڑا رہے۔ یہ بات کچھ ہضم ہونے والی نہیں لگتی۔ ویسے لایوٹرا نسمیشن میں اُسے پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ کیا ایسا ایک فٹ کی چوڑائی میں ممکن تھا۔

دوسرا سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ کنویں میں گر گیا تو اُسے کس نے گرتے ہوئے دیکھا۔ چلو مان لیتے ہیں کسی نے دیکھ لیا۔ کیا اُس دیکھنے والے کے پاس کوئی طلسمی چراغ تھا جس کو رگڑ کر اُس نے جن کے ذریعے دہلی سے ٹی وی ٹیم کو پنجاب کے اُس دور دراز گاؤں میں آناً فاناً پہنچنے کی ہدایت کی۔ اگر ٹی وی ٹیم ہوائی جہاز سے بھی آنے کی سعی کرے کیا اُتنی دیر تک وہ بچہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ایک سوال یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تار کے ذریعے بچے کے قریب کیمرہ تو لٹکایا جا سکتا ہے اور کھانے پینے کی چیزیں بھی نالی نما کنویں میں پہنچائی جا سکتی ہیں۔ مگر کیا ایک تین سالہ بچہ ہونے کے ناطے وہ پچاس گھنٹے میں سونا نہیں چاہتا ہوگا۔ کیا پچاس گھنٹے میں اُسے نیند محسوس نہیں ہوتی۔ آخر وہ ایسا کون سا سپر کڈ (Super Kid) تھا جو بسکٹ کھاتا رہا مگر پورے پچاس گھنٹے تک نہ وہ سویا نہ اُسے اونگھ آئی اور نہ ہی پیشاب یا پاخانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نہ وہ کُرلایا اور نہ ہی بے چین یا خوف زدہ ہوا۔

میں اُن دنوں سعودی عربیہ میں تھا۔ اس ضمن میں میں نے بیشتر وقت ٹی وی کے سامنے گذارا مگر گور کرنے پر مجھے وہ سارا معاملہ شعبدہ بازی (Scampish) پر مشتمل نظر آیا۔ میرا اس بارے میں کئی لوگوں کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا اور اکثر کی رائے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہی تھی کہ کنویں والے واقعے کے پیچھے یا تو ایس ایم ایس کا سکینڈل کارفرما تھا یا اُن ایڈ وٹائزنگ کمپنیوں کی کوئی ملی بھگت جو مختلف کمپنیوں یا چیزوں کے اشتہارات مختلف ٹی وی چینلوں سے ٹیلی کاسٹ کرواتے ہیں اور اس واقعے میں بھی وہی ہوا۔ پورے پچاس گھنٹے تک وقفے وقفے سے اشتہارات لایو ٹراسمشن پر آتے رہے اور اُس کے ساتھ ساتھ ایس ایم ایس بھی آتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس ہمبگ (Humbug) اور فوٹو گرافک ٹرک (Photographic Trick) کو اس عاجزانہ انداز کے ساتھ پیش کیا گیا کہ لوگوں کی ہمدردیاں بڑھتی گئیں۔ کچھ لوگ جذباتی ہو گئے خاص طور سے تو عورتوں نے مختلف شہروں سے ایس ایم ایس کر کے واویلا مچایا۔

صورت حال ایسی بنی کہ کروڑوں لوگوں نے ایس ایم ایس کیا جس کا معاوضہ موبائل فون کمپنیوں کو لاکھوں روپیہ وصول ہوا اور اس کے علاوہ اشتہارات کا معاوضہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اُس طرح مزید اربوں روپیہ وصول ہوا ہوگا اور پھر اگر اُس پیسے کا مختلف پارٹیوں کے درمیان بندر بانٹ بھی ہوا ہو تو ممکنات میں سے ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اور معمولی واقعے ہیں۔ عام طور پر لوگ ایسی چیزوں پر زیادہ نہیں سوچتے ہیں۔ لیکن اگر انسان، خاص طور پر آج کل کے مکر و فریب اور عیاری کے زمانے میں اپنی آنکھیں کھلی رکھے گے تو اُسے بہت کچھ دیکھنے اور سیکھنے کو ملے گا۔ بقول نریش کمار شاد ؎

اب یہ تیرا ذوق ہے تو جس نظر سے دیکھ لے
یہ جہاں گلزار بھی ہے اور ویرانہ بھی ہے

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ناشُکرا ہے انسان

اپنی وحشت کی نمائش مجھے منظور نہ تھی
ورنہ دشوار نہ تھا چاکِ گریباں ہونا
(نریش کمار شادؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ناشُکرا ہے انسان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کسی ملک میں ایک فہیم و دانا بادشاہ کی حکومت تھی۔ رعایا کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں اس لیے بادشاہ مقدمات کے فیصلے خود کیا کرتا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ ہر تیسرے دن دربار لگتا تھا۔ مقدمات اور عرضداشت کی تفصیل پیش ہوتی تھی۔ بحث اور جرح بھی ہوتی تھی مگر جج کی حیثیت میں بادشاہ خود واگذاری یا سزا سناتا جب کہ بے قصور یا مظلوم کے ساتھ انصاف بھی کرتا تھا۔ ایک دن حسبِ معمول کاروائی کے دوران ایک چور کا مقدمہ پیشِ عدالت یا پیشِ دربار سماعت کے لیے آیا۔ ایک شخص کو چوری کے الزام میں دھر لیا گیا تھا۔ محکمہ پولیس نے مقدمہ پیش کیا، جرم کی تفصیلات روبرو رکھ دیں مگر اور باتوں کے علاوہ فردِ جرم میں اس بات کا خاص تذکرہ تھا کہ چور نے پہلی بار چوری کی ہے۔ اس لیے چور کچھ رعایت کا مستحق بن جاتا ہے۔ یہ بات سفارش کے طور پر نہیں بلکہ بادشاہ اور ملکی عدل و انصاف کا مزاج مدنظر رکھ کر کہی گئی تھی۔

مقدمہ کی جزئیات اور تفصیلات سننے کے بعد بادشاہ نے بھرے دربار میں فرمایا کہ وہ اس بات کے ساتھ متفق نہیں ہیں کہ وہ چور کی پہلی چوری تھی اور اُس کا ماضی پاک وصاف رہا ہے۔ اس لیے پولیس کو ہدایت کی گئی کہ وہ مقدمے کا از سر نو جائزہ لے کر مزید تحقیق و تفتیش کر کے حقیقت حال کو پیشِ دربار رکھیں اور اگلی سماعت کے موقعہ پر پھر مقدمہ پیش کریں۔

پولیس نے دوبارہ مثل کا جائزہ لیا۔ ہر وہ حربہ جس سے کسی کی تفصیلات پر روشنی پڑ سکتی تھی۔ بروئے کار لا کر مکمل چھان بین اور تحقیق و تفتیش کر کے مقدمے کو پھر دربار میں پیش کیا۔ مقدمے کی جو پہلے رپورٹ تھی اُس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ اب کی بار بھی پولیس کی رپورٹ وہی تھی کہ چور نے وہ جرم پہلی ہی بار کیا ہے مگر بادشاہ پھر بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بضد تھا کہ موجودہ چوری چور کی پہلی چوری نہیں ہوسکتی ہے۔ چونکہ مقدمے کو یونہی نہیں لٹکایا جاسکتا تھا اور چور بھی اپنے بیان پر ڈٹا ہوا تھا اس لیے مقدمے کا کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ اس صورت حال میں بادشاہ بذات خود چور سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

''تم کہتے ہو کہ یہ تمہارا پہلا جرم ہے مگر میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔ دو دن کے بعد پھر اگلا دربار لگے گا۔ تم پوری طرح سے بلکہ یکسوئی کے ساتھ سوچو، غور کرو اور پھر سوچ سمجھ کر اگلی سماعت پر مجھے اپنا فیصلہ بتا دینا۔ مجھے یقین ہے کہ تم سچ ہی بولو گے''۔

دو دن بیچ میں چھوڑ کر تیسرے دن پھر دربار کی کاروائی شروع ہوئی۔ دو تین مقدمات کو نپٹا کر اور فیصلہ ہو جانے کے بعد مذکورہ مقدمے کی باری آئی۔ اب کی بار بادشاہ سیدھا چور سے مخاطب ہوا۔

''میرا خیال ہے کہ اِن دو دِنوں میں تم نے خوب غور و فکر کیا ہوگا۔ اب بتاؤ کیا تم اب بھی اپنی بات پر ثابت قدم ہو یا میرا خیال درست ہے''۔

چور نے الاماں کی صورت میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دہائی دی۔

''بادشاہ سلامت آپ کا اقبال بلند ہو۔ واقعی یہ میری پہلی چوری نہیں تھی۔ بلکہ میں اس سے قبل بھی چوریاں کر چکا ہوں۔ آپ کا فرمایا ہوا سو فیصد درست ہے۔ میں اپنے جرم کا اقبال کرتا ہوں''۔

تمام دربار کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سب حاضرین دم بخود رہ گئے۔ پولیس محکمہ سے وابستہ اہلکاروں نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ نظریں چراتا شروع کیں۔ آخرش ایک قابل اعتماد اور ذی وقار بزرگ وزیر نے اس تجسس و سنسناہٹ کو دور کر دیا۔ اُس نے اپنے قابل اور ہونہار فرمانروا سے مؤدبانہ عرض کی۔

''حضور والا گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر سارا دربار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہی اس بات پر مُصر تھا کہ چوری کی یہ پہلی چوری تھی کیونکہ اس ضمن میں پولیس بھی اپنے طور سے مکمل تحقیق کر چکی تھی مگر آپ پھر بھی دربار کے ساتھ متفق نہیں ہو رہے تھے۔ براہِ کرم ہمیں یہ بتایئے کہ آخر ایسی کیا بات تھی اور وہ کون سی وجہ تھی جس سے آپ کا خیال ہی درست ثابت ہوا۔ کیا آپ چور کو پہلے سے جانتے تھے یا معاف فرمایئے کیا آپ کے پاس کوئی جادو ٹونا ہے یا آپ جنوں کو قابو میں رکھنے سے سرفراز ہیں۔ یہ صرف ایک عرضداشت ہے کیونکہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ میری باتوں کو گستاخی پر محمول نہ کیا جائے"۔

بادشاہ نے جواب میں کہا:

"محترم وزیر اعلیٰ میں چور کو اس سے قبل جانتا تھا نہ میرے پاس کوئی جادوئی چھڑی ہے اور نہ ہی میری ماتحتی میں کوئی جن ہے۔ یہ صرف عقل کا اعجاز ہے جس سے اللہ رب العزت نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ تخلیق کیا ہے۔ مگر اس ساری تخلیق میں سے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ ذی عزت اور باوقار بنایا ہے۔ یہ انسان حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ اسی وجہ سے جسم کی حفاظت کرنا، ضرورت پڑنے پر دوا دارو کرنا، جان جوکھم میں نہ ڈالنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ بھی رب کائنات کا ارشاد ہے کہ ایک انسان کا قتل عالم انسانیت کے قتل اور ایک انسان کا حفاظت عالم انسانیت کے بچاؤ کے مترادف ہے۔ جب صورت حال ایسی ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس انسان کی عزت کتنی پیاری ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان ایک دو بار کوئی خطا یا اپرادھ کرتا ہے تو ستار العیوب اُس سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اگر بندہ سنبھلا تو ٹھیک بصورت دیگر تب اُسے بے عزت کرتا ہے جو مطلقاً اُس مسلسل نافرمانی کی تادیبی کاروائی ہوتی ہے۔ موجودہ معاملے میں جب یہ کہا گیا کہ یہ چوری کی اولین چوری ہے تو میں نے اپنے رب رحمان و رحیم کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

محبت اور شفقت کے تناظر میں اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ پہلی ہی خطا پر رحیم و ستار رب اُسے بے عزت نہیں کرے گا۔ ربِ کائنات کی فیاضی، سخاوت اور اُنس و الفت کو ہم فراموش کر چکے ہیں۔ اُس کے باوجود بھی مالکِ کون و مکان ہمیں مکرر، ہر وقت، ہر لمحے پکارتے رہتے ہیں:

اے میرے بندے تجھے اپنے کریم رب سے:

''کس نے پیچھے رکھا'' (القرآن: 82-30-6)

''اپنے رب کی طرف لوٹ آ'' (القرآن: 89-30-28)

''تجھے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا'' (القرآن: 96-30-5)

''بے شک تو اپنے رب کا ناشکرا ہے'' (القرآن: 100-30-6)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اللہ ہی مولا ہے

انداز بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات
(اقبالؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اللہ ہی مولا ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا فرمانا ہے کہ دو چیزوں کی بنا پر مسلمان ہر قسم کی آفات سماوی (Natural Calamity) اور دیگر تکالیف سے ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔ جب آقائے نامدار ﷺ ہم میں موجود تھے تب اُن کی برکت کی باعث ہم محفوظ و مامون تھے اور جب انہوں نے نقلِ مکانی کیا تب سے استغفار کی باعث ہر بلا سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر بنی آدم بار بار بلکہ ہمیشہ استغفار کرتا رہے تو وہ باعثِ بخشش گناہ، خیر و برکت اور آفات سماوی کے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ رب کے راضی ہونے کی بھی نشانی ہے۔ آپ نے یہ بھی ضرور سنا ہوگا کہ خود حضور آقائے نامدار ﷺ ایک دن میں سو بار استغفار کیا کرتے تھے حالانکہ ذاتِ اقدس پاک و معصوم اور جسمِ نازنین کوثر و تسنیم سے دُھلا دھلایا تھا جس میں گناہوں کا دور دور تک شائبہ نہ تھا مگر اُس کے باوجود اُن کا یہ وظیفہ صرف اور صرف اُمت کے لیے رہبری، راہنمائی اور ہدیہ ہے۔ کیونکہ اُمت کے لیے دلِ مبارک ہر پل فکر مند رہتا تھا۔ اس سلسلے میں مجھے ایک بزرگ ہستی سے جڑا ایک واقعہ یاد آگیا مگر وہ واقعہ سنانے سے قبل اُس عزت مآب اور فخر اسلام یعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے متعلق چند معروضات پیشِ خدمت رکھنا مجموعی طور پر چشم کشا اور انشاء اللہ ایزادگیٔ و پختگیٔ ایمان کا باعث ثابت ہوں گے۔

اندازِ بیان گرچہ بہت شوق نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

دوسری صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی جب مسلمان خیالات و قیاسات کے سطحی یونانی فلسفہ سے متعارف ہوئے تو بہت جلد متاثر ہونے والوں میں سے ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جو اپنے وقت کے پُرجوش متکلم اور روشن خیال عالم ہونے کا زعم رکھتے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے اور اُن کے ہی طرزِ فکر سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات، عدل، تقدیر اور کلام الٰہی جیسے موضوعات پر مسائل پیدا ہو گئے جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے نہ دنیاوی حیثیت میں مفید بلکہ اُن مسائل سے اُمت کی وحدت میں ضعف آنے کا خدشہ لاحق ہو گیا اور عام آدمی بھی شش و پنج (Confusion) میں پڑ گیا۔ ایسے علمائے سُو اور نام نہاد فلسفیوں کی امامت معتزلہ کر رہے تھے اور اُس سر پھرے گروہ کے مقابلے پر محدثین و فقہا کی جماعت تھی جو خود مجموعی طور پر ان مسائل میں سلف صالحین کے مسلک کی قائل تھی۔

عباسی خلیفہ ہارون رشید کی دور خلافت تک معتزلہ کو عروج حاصل نہیں ہوا تھا مگر اُس کے بیٹے مامون رشید کے زمانہ خلافت میں معتزلہ نے کافی زور پکڑا کیونکہ خلیفہ مامون رشید خود یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا۔ معتزلہ کو جب حکومت کی سرپرستی حاصل ہو گئی تو انہوں نے متاثرہ گروہ کے ساتھ مل کر کھل کر خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ خلق قرآن سے مطلب یہ ہے کہ وہ بدعقیدہ لوگ کہتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین، پیڑ، پودے اور پہاڑ وغیرہ تخلیق کئے ہیں اُسی طرح قرآن حکیم بھی خلق ہے۔ گویا وہ لوگ اسے کلام الٰہی ماننے سے منکر تھے۔ مامون رشید نے مسئلہ خلق قرآن پر پوری توجہ مبذول کی اور ایک فرمان گورنر بغداد اسحٰق بن ابراہیم کے نام جاری کر دیا جس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو روانہ کر دیں گئیں اور ہدایت میں اور باتوں کے علاوہ یہ بات خاص طور سے مذکور تھی کہ جو اس عقیدہ کے ساتھ متفق نہ ہو اُس کو سرکاری عہدہ و ملازمت سے ہٹا دیا جائے۔ یہ فرمان جاری ہوئے ابھی چار ہی مہینے ہوئے تھے کہ خلیفہ مامون رشید کا انتقال ہوا اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی معتصم رشید مسند خلاف پر براجمان ہوا اور اپنے پیش رو کی وصیت کے مطابق وہ زیادہ ہی متشدد ثابت ہوا اور زور و شور سے اس مسلک اور عقیدہ پر قائم رہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خلیفہ مامون رشید نے مرنے سے قبل گورنر بغداد اسحٰق بن ابراہیم کو ایک اور بھی فرمان روانہ کیا تھا جس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اہلکارانِ سلطنت کے علاوہ اس حکم کا اطلاق علماء پر بھی کیا جانا از حد ضروری ہے۔ چونکہ اُس وقت علماء نے مختلف وجوہات کے زیر اثر ایک ایک کر کے حکومت کی طرف رجوع کیا تھا جب کہ اسی دوران ثابت قدم رہنے والے علماء میں سے دو علماء حضرت بشیر بن الولیدؒ اور حضرت ابراہیم بن المہدیؒ کو حکومت کی جانب سے قتل کا حکم دے دیا گیا تھا۔ اور پھر اس طوفان ابتلا میں آخر کار صرف دو ہی ایسے علماء امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت محمد بن نوحؒ رہ گئے جنہوں نے باطل کے سامنے سر کو خم نہیں کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ شومئی قسمت اسی دوران حضرت محمد بن نوحؒ کا انتقال ہوا اور اس طرح سے فقط امام احمد بن حنبلؒ ہی ایک واحد شخص رہ گئے جن کو اس فتنے کا تن تنہا مقابلہ کرنا مقدر تھا۔

امام محترمؒ جب کسی بھی صورت میں باطل فتویٰ دینے پر راضی نہ ہوئے تو اُن کو گرفتار کیا گیا۔ پھر اُن کو رِقہ سے بغداد اس حالت میں لایا گیا کہ اُن کے پاؤں میں چار چار بیڑیاں پڑی تھیں۔ ابتدا میں اس مسئلہ پر تین دن تک اُن کے ساتھ مناظرہ اور بحث ہوئی مگر اُن کے پاؤں ذرا بھی نہ ڈگمگائے اور وہ اپنے موقف کے ساتھ ہی رہے۔ اس دوران اُنہیں کئی طرح کی لالچ دی گئی۔ خوف اور ڈر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی مگر بدلے میں وہ صرف انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور خدا کے خوف سے ڈراتے رہے۔ چوتھے روز اُنہیں گورنر بغداد کے سامنے لایا گیا جس نے ناصحانہ انداز میں اُنہیں متنبہ کیا کہ کیوں اپنی زندگی کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ یہ سچ ہے کہ خلیفہ نے قسم کھائی ہے کہ وہ آپ کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کریں گے۔ مگر آپ کو ایسی مار پڑے گی، ایسی اذیت دی جائے گی جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ آپ کو ایسے قید خانے میں ڈالا جائے گا جہاں سورج کی روشنی کبھی نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آتی۔

چونکہ امام صاحب اپنے عقیدے اور موقوف سے ذرا بھی نہ ہٹے تو اُنہیں خلیفہ معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس کے سامنے بھی وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ اور آخر کار اپنی بات کے اصرار پر خلیفہ نے اُن کو ۲۸ کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ ایک جلاد آتا وہ صرف دو کوڑے لگاتا اور پھر دوسرے نئے جلاد کو بلایا جاتا۔ لیکن امام صاحبؒ ہر کوڑے کی ضرب سہہ جاتے اور صرف اتنا فرماتے:

"میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اُس کے رسول ﷺ کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اُس کو مان لوں گا"۔

(۲)

امام صاحبؒ جب سے گرفتار ہوئے رہائی کے وقت تک وہ اٹھائیس مہینے قید خانے میں رہے۔ اور اُس دوران اُن کو ۳۴ کوڑے لگائے گئے۔ ابراہیم بن مصعب جو خلیفہ کی فوج کے ایک سپاہی تھے کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ جری اور دلیر کوئی نہیں دیکھا ہے۔ اُن کی نگاہوں میں ہم لوگوں کی حیثیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں تھی۔ اُن کو ایسی اذیت ناک مار پڑی اور ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر صرف ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو وہ چیخ مار کر بھاگتا اور امام صاحب کو کوڑے بھی اس حالت میں لگائے گئے جب وہ روزے سے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی مومنانہ شان، لامثال ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور مسلمان ایک بہت بڑے دینی فتنے اور خطرے سے محفوظ ہو گئے۔ جن لوگوں نے اس دینی ابتلا میں حکومتِ وقت کا ساتھ دیا اور مصلحت کوشی سے کام لیا یا کسی لالچ میں آ کر روگردانی کی وہ جلدی ہی لوگوں کی نظروں سے گر گئے اور اُن کا دینی و علمی وقار و اعتبار ختم ہو گیا جب کہ امام صاحبؒ کی شان اور قدر و منزلت دوبالا ہو گئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور بے انتہا بڑھ گئی۔ اور اُن کی محبت صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار اور علامت بن گئی۔ اُس کے ایک ہم عصر حضرت قتیبہؒ کا کہنا ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اُس کو امام احمد بن حنبلؒ سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے۔ اسی طرح اُن کے ایک اور ہم عصر اور امام بخاریؒ کے اُستاد مشہور محدثِ وقت حضرت علی ابن المدینیؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کا غلبہ وحفاظت کا کام دو اشخاص سے لیا ہے جن کا کوئی تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور فتنہ خلق قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔ یہ اُسی عظمت ومقبولیت کا نتیجہ تھا کہ اُن کو دیکھنے کے لیے غیر مسلم، عیسائی پادری وغیرہ بھی دور دور سے آتے تھے۔ اور پھر ۲۴۱ھ میں جب امام سنت نے انتقال کیا تو جنازے کے لیے سارا شہر اُمڈ پڑا۔ تاریخ ابن خلکان کے مطابق جنازے میں آٹھ لاکھ مردوں اور ساٹھ ہزار مستورات نے شرکت کی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا دستور تھا کہ وہ آس پاس کے گاؤں، قصبوں میں دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اکثر جایا کرتا تھے اور شام کو گھر لوٹتے تھے۔ مگر کبھی کبھی مقام دور ہونے، سواری نہ ملنے یا زیادہ وقت صرف ہونے کے باعث راستے میں ہی شام ہو جاتی تھی اور جب اس بات کا پختہ یقین ہو جاتا تھا کہ گھر نہیں پہنچا جا سکے گا تو وہ کسی نزدیکی بستی میں رات گذارتے تھے۔ کسی کے ہاں نہیں ٹھہرتے، کسی کا نہیں کھاتے، البتہ بستی کی مسجد میں رات گذارتے اور ساتھ میں جو روکھی سوکھی روٹی ہوتی وہی تناول کرتے۔ اسی طرح حسبِ معمول ایک دن وہ ایک جگہ سے دعوت دین دے کر لوٹے مگر دیر ہونے کی باعث اپنی بستی میں پہنچنا ممکن نہ تھا اس لیے وہ ایک نزدیکی گاؤں میں جا کر مسجد میں متمکن ہو گئے۔

نماز عشاء ادا کرنے کے بعد اُس مسجد کے خادم یا مؤذن جو بھی وہ تھا، نے اُن کو مسجد سے تشریف لے جانے کو کہا کیونکہ اُسے مسجد بند کر کے اُس میں تالا ڈال دینا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

امام صاحبؒ نے اُس سے کہا کہ میں ایک مسافر ہوں اس لیے رات کو یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں مگر اُس شخص نے نہیں مانا اور کہا کہ یہاں کی انتظامیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ مسجد کو رات میں بند رکھا جائے اور کسی کو اس میں ٹھہرے نہ دیا جائے۔ امام صاحبؒ ناچار باہر آئے اور خادم نے مسجد میں تالا ڈال دیا۔ مسجد کے باہر ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا تھا تو امام صاحبؒ نے خادم سے اُس چبوترے پر قیام کرنے کی اجازت چاہی۔ حمامی نے جواب میں کہا:

''مجھے صرف مسجد میں تالا ڈال دینا ہے۔ باقی آپ کہاں ٹھہرتے ہیں، کیا کرتے ہیں، مجھے اُس کے ساتھ کوئی سروکار نہیں''۔ یہ دونوں ابھی گفتگو میں مصروف ہی تھے کہ اُدھر سے اُس گاؤں کا نانبائی گذرا۔ وہ قریب آ کر معاملے کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ جانکاری حاصل کرنے کے بعد اُس نے امام صاحبؒ کو اپنے گھر میں قیام کرنے کی پیشکش کی۔ مجبوری تھی امام صاحبؒ نانبائی کے ساتھ چلے گئے۔ اپنی روکھی سوکھی روٹی تناول کی اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

آدھی رات لگ بھگ ہو چکی تھی کہ امام صاحبؒ نے کچھ بڑبڑاہٹ سنی۔ اُن کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھے اور دیکھا کہ نانبائی صبح کو نبانے کے لیے روٹیوں کے لیے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ وہ گندھے ہوئے آٹے کے لوندے پر زور زور سے ہاتھ مارتے جاتے اور ساتھ ساتھ استغفار بھی پڑھتے جاتے تھے۔ نانبائی کے اس عمل کو دیکھ کر امام صاحبؒ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوئے۔

امام صاحبؒ فجر کے وقت نماز فجر کے لیے نانبائی کے ساتھ مسجد چلے گئے اور واپسی پر راستے میں امام صاحبؒ نے نانبائی سے پوچھا کہ وہ یہ عمل کب سے کر رہا ہے۔ نانبائی نے جواب میں کہا: مجھے بچپن سے ہی اس طرف رجحان تھا، میں ہمیشہ استغفار کرتا رہتا ہوں۔ اُس پر امام صاحب نے پوچھا کہ اس عمل کا کوئی خاطر خواہ فائدہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ کو نظر آیا یا ملا۔ نانبائی نے جھٹ سے جواب دیا۔ کیوں نہیں استغفار میں مگن و محو رہنے سے میں نے آج تک جو کچھ بھی اللہ رب العزت سے مانگا واللہ وہ سب عین غین مجھے ملا۔ البتہ میری آج تک صرف ایک دُعا قبول نہیں ہوئی ہے جس کا مجھے بے حد افسوس ہے"۔ امام صاحبؒ نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "اگر کوئی راز کی بات یا پوشیدہ معاملہ نہ ہو تو پھر ذرا ہم بھی سنیں کہ وہ آپ کی کون سی دُعا ہے جو آج تک قبول نہیں ہوئی ہے"۔ نانبائی نے جواب میں کہا: "نہیں راز کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے رب سے بارہا التجا کی تھی کہ مجھے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی زیارت سے مشرف کرادے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ میری یہ دُعا آج تک قبول کیوں نہیں ہوئی"۔ امام صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ آپ کی وہ دعا بھی قبول ہو چکی ہے۔ بندہ ہی بے صبر ہے ورنہ اللہ مولا ہے۔ سب کا مولا ہے ؎

میری زبان پہ آیا جو تیرا نام اللہ
زمانہ کرنے لگا میرا احترام اللہ

(رضوان الہ آبادی)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا شرمسار سجدوں نے

پڑا جو وقت کیا شرمسار سجدوں نے
اُٹھائے ہاتھ تو مجھ پر دُعا نے طنز کیا
(ظفرؔ مرادآبادی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا شرمسار سجدوں نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اگست سن ۲۰۱۱ء میں، میں نے سلام سے متعلق آنحضرت ﷺ کے فرمودات اور ہدایات دو قسطوں کے ایک کالم میں قارئین حضرات کے روبرو رکھ دیں تھیں۔ میری اُس کوشش کو کافی پسند کیا گیا اور کافی سراہنا کی گئی۔ اُسی سلسلے میں چند ایک باتوں کا مزید تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

پیغمبر عالم، رہبر جن وانس، سابقہ اور موجودہ تمام بنی نوع انسان کے ہادی (کافۃ الناس ﷺ) جب ہجرت کر کے مکہ شریف سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں سب سے پہلے موجود حاضرین کے درمیان جو خطبہ دیا اُس میں اسی بات پر زور دے کر فرمایا "لوگو آپس میں سلام کو پھیلاؤ" (وافشو سلام)۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ نے سلام کرو، سلام کہو، سلام بولو، سلام بھیجو، سلام بجاؤ یا سلام پہنچاؤ نہیں فرمایا تھا بلکہ سلام پھیلاؤ کی تلقین و تاکید کی تھی۔ سلام نہ صرف آپسی میل ملاپ اور جان پہچان کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ سلام کے پھیلاؤ سے نت نئے دوست بنتے ہیں۔ آپس میں محبت و مودت بڑھتی ہے اور سب سے بڑھ کر ہر دو جانب دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو سلام کے لیے صرف لب ہی ہلانے ہوتے ہیں جس میں کوئی خاص محنت یا تکلیف نہیں لگتی مگر ثمرہ اس عمل کا بہر حال بار آور ہوتا ہے۔

سلام کرنے والا شخص دوسرے کو سلام کے ذریعے یہ پیغام دیتا ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو اور جواب میں دوسرا شخص بھی اُسے یہی دعا دیتا ہے۔ لیکن اگر سلام کے معنی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ سلام ایک عہد، ایک پیمان اور ایک کمٹمنٹ ہو جاتا ہے۔ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ عہد کر لیتا ہے کہ تم پر بے شک اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو مگر اُس کے ساتھ ساتھ میرے بھائی میری طرف سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تم مکمل طور سے امن و امان اور حفاظت میں ہو، گویا میری طرف سے تم اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھ لینا اور جواب دینے والا بھی اُسی عہد کا اعادہ کر لیتا ہے۔ ہمارے سلف کے بزرگ اس عہد کا کس طرح پاس ولحاظ کرتے تھے، ایک واقعہ سناتا ہوں۔

غیر منقسم ہندوستان میں موجودہ پاکستان سے الارشاد نام کا ایک جریدہ شایع ہوتا تھا۔ یہ کافی مشہور اور مقبول عام پرچہ تھا، بہت ممکن ہے کہ اُس کی اشاعت اب تک بھی ہو رہی ہو۔ سن ۱۹۳۰ء کے دہے کی بات ہے اُن دنوں پرچے کے ایڈیٹر مولانا عبدالغفار الخیر تھے۔ اُن کا فرمانا ہے کہ سن ۱۹۳۲ء میں وہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جدہ پہنچے تو معلم اونٹ لے کر اُن کے انتظار میں تھا۔ چونکہ ابھی خود کار ٹرانسپورٹ عام نہیں ہوا تھا اس لیے سفر جدہ سے مکہ شریف اور مکہ شریف سے آگے مدینہ شریف تک اونٹوں پر ہی ہوتا تھا۔ مولوی صاحب کا فرمانا ہے کہ سامان ایک جگہ رکھ کر برصغیر کے تمام حاجی ایک ایک کر کے معلم کے پاس جاتے اور اُسے احتراماً سلام کرتے مگر معلم صاحب کسی کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ مولانا الخیر صاحب کو یہ تکبر اچھا نہیں لگا وہ غصے میں آ کر معلم کے پاس جا کر شکایت کرنے گئے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ "آپ ہمارے سلام کا جواب نہیں دیتے ہیں"۔ اُس پر معلم نے بڑی نرمی، حلیمی اور عاجزی سے اُنہیں بتایا کہ:

"چند روز قبل حج کی انتظامیہ کمیٹی نے مکہ شریف میں قرعہ ڈالا جس کے ذریعے مختلف علاقہ جات اور ممالک کے لیے معلموں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ میرا نام برصغیر ہند کے حجاج کرام کی خدمت بجالانے کے لیے نکل آیا۔ دو دن قبل جب میں اونٹ لے کر مکہ مکرمہ سے اس طرف آپ کے استقبال کے لیے آرہا تھا تو راستے میں مجھے لٹیروں (دُزدان عرب) نے پکڑ لیا اور اس بات کا برملا اعلان کیا کہ اب کی بار وہ ہندی حجاج کو لوٹ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ جاننا چاہا کہ آیا میں حجاج کا ساتھ دے کر اُن کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

طرف سے مزاحمت کروں گا یا خاموش تماشائی بنا رہوں گا۔ میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور سوچا کہ اگر میں یہ کہتا کہ میں حجاج کا ساتھ دوں تو وہ مجھے اُسی وقت ہلاک کر ڈالتے اور میرے اونٹ لے کر چلے جاتے۔ اس لیے میں نے وقتی طور بچاؤ کی صورت نکالی اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ میں خاموش تماشائی ہی بنا رہوں گا۔ اب خدارا آپ یہ بتایئے کہ اگر میں آپ کے سلام کا جواب دیتا ہوں تو گویا میں نے آپ کی سلامتی کا وعدہ کیا اور مجھ پر ایک ذمہ داری عائد ہوگئی جب کہ مجھے یہ بھی نظر میں ہے کہ لٹیرے میرے سر پر ننگی تلوار لے کر کھڑے ہیں۔ اس لیے میں گومگو کی حالت میں ہوں اور یہی وجہ ہے کہ بہ مجبوری میں نے آپ لوگوں کے سلام کا جواب نہیں دیا کیونکہ مجھے یہ ابھی معلوم نہیں کہ میں عہدہ برآ ہو سکتا ہوں کہ نہیں۔ میں آپ کو مکہ مکرمہ تک بحفاظت پہنچا سکوں گا یا نہیں۔ یہ تکبر کا نہیں بلکہ صرف اور صرف لاچاری اور مجبوری کا معاملہ ہے"۔

مذکورہ تناظر میں ہمیں اپنے گریباں میں منہ ڈال کر ضرور بہ ضرور اپنی سڑاندھ سونگھ لینی چاہیے اور اپنے طور طریقے پر بھی ایک نظر ڈالنی از حد ضروری ہے۔ ہم نے جس کو سلام کیا صرف پانچ قدم آگے جا کر اُسی کا بخیہ اُدھیڑنا شروع کیا۔ اُسی کی غیبت اور اُسی کی دشنام دہی شروع کر دی۔ جس کو سلام کیا اُسی کو ملاوٹ والے اجناس، مصالحے اور دیگر خورد و نوش کا سامان تھما دیا۔ جس کو سلام کیا اُسی کو گلی سڑی سبزی اور بساندھ بھرے پھل پکڑوا دیئے۔ جس کو سلام کیا اُس کا بیٹا اغوا کیا، اُسی کی بیٹی کو بدنام کیا، اُسی کے گھر کو اپنی بدخصلتی سے غیر محفوظ اور جہنم زار بنا دیا۔ جس تھالی میں کھایا اُسی میں چھید کر دیا۔ جس کو سلام کیا اُسی کی زمین دوسرے کو فروخت کی۔ اگر کچھ نہ سہی پھر بھی منڈیر ہڑپ لی۔

تباہیاں ہم پر مقدر ہو چکیں ہیں جنہوں نے عرصہ ہوا جلوہ گری شروع کر دی ہے اور جن کی جھلک ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں کیونکہ ہم اپنے عہد کو پورا اور اپنے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وعدوں کا پاس نہیں کرتے ہیں حالانکہ رب العالمین نے بھی مومن کی پہچان میں یہ بتادیا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کا پاس کرتے ہیں۔اس لیے دانشمندی اسی میں ہے کہ توبہ کرکے اپنی عاقبت کو محفوظ بنایا جائے۔ورنہ مالک کائنات سرکشوں کو سزا دینے میں ذرا بھی دیر نہیں کرتا۔اُس صورت حال سے بہرحال اجتناب برتنا ہی عقلمندی سے جو ہمیں شرمساری کی طرف لے جانے والی ہو۔بقول ظفر مراد آبادی ؎

پڑا جو وقت کیا شرمسار سجدوں نے
اٹھائے ہاتھ تو نے مجھ پر دعا نے طنز کیا

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ رات اندھیری ہے

اندھیری رات طوفانی ہوا ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اُس پر ناخدا تم ہو
(سرشار سیلانی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ رات اندھیری ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جنگ عظیم دوم بھی جنگ عظیم اول کی طرح اپنے پیچھے تباہی و بربادی اور انسانی ہلاکت کی ایک غمناک اور درد بھری داستانِ آہ وفُغان چھوڑ کے گئی۔ گوشت پوست کا ایک پھول جیسا نازک اندام انسان یا اُسی گل اندام انسان کے بڑے لیڈر، راہنما، حکمران اور سیاست دان کس طرح کے وحشی خونخوار درندے، ظالم اور انسان دشمن ہو سکتے ہیں وہ اُن عالمی جنگوں نے ثابت کر دکھایا۔ دونوں عظیم جنگیں اختتام پذیر ہونے کے بعد دنیا بھر کے دانشوروں کے سامنے یہ الجھا اور تیکھا سوال اُبھرتا رہا کہ آخر دنیا کے بیشتر ممالک نے جن میں سب سے زیادہ روس کے لوگ ہلاک ہو گئے اور اُس کے بعد فرانس، اٹلی، جاپان وغیرہ کے نمبرات آتے ہیں نے اتنی بڑی انسانی قربانی، مساکین اور عمارات کی تباہی، اسلحہ جات کا ضیاع اور معیشت کی بربادی کس لیے برداشت کی جبکہ امریکہ کے بغیر کسی بھی ملک کا کوئی بھلا نہیں ہوا جن میں سوئیزرلینڈ، کینیڈا، سربیا، ساوتھ افریقہ وغیرہ ممالک میں آج تک لوگ اس گتھی کو نہیں سلجھا پا رہے ہیں کہ اُن کے ملک جنگ میں کیوں کود پڑے تھے اور اُن کو اُن مذکورہ جنگوں سے کیا حاصل ہوا۔ اُن عالمی جنگوں میں امریکہ ہی ایک واحد ملک تھا جس کی پانچوں اُنگلیاں گھی میں تر ہو گئیں۔ وہ اس طرح کہ متحارب ممالک میں سے اکثر کو اُس نے جنگی ساز و سامان فروخت کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے دو شہروں میں ایٹم بم گرا کر جاپان کی ہر لحاظ سے ریڑھ کی ہڈی توڑ کے رکھ دی کیونکہ ایک رپورٹ کے مطابق دونوں شہروں میں معیشت کی تباہی کے علاوہ ایک لاکھ دس ہزار انسان مارے گئے، پچانوے ہزار زخمی ہوئے جنہیں برسہا برس تک ہسپتالوں میں علاج ہوتا رہا جو اُن میں سے بچ گئے وہ کسی کام کاج کے نہیں رہے۔ سڑسٹھ فیصد عمارات زمین بوس ہو گئیں اور دس کلومیٹر زمین تباہ ہو گئی جس پر آج تک گھاس بھی نہیں اُگتی ہے اور سب سے رنجیدہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بات یہ ہوئی کہ عربیہ کے تیل پر اُس نے بلاشرکت غیرے قبضہ کرلیا۔ اور آج صورت حال یہ ہے کہ سعودی عربیہ کا پیسہ ہی امریکہ کا بیک بون (Back bone) ہے اور اسی طرح سے دو کی لڑائی میں تیسرے کی جیت کے مترادف امریکہ کے سُپر پاور بننے کی بھی یہ ایک وجہ بنی۔

بہر حال میں عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد جو یہود سپاہ جنگ سے زندہ لوٹ کر آئے تھے وہ اور دیگر یہود سول افسران کو برطانیہ نے فلسطین میں انسانیت کا دوسرا ننگا ناچ ناچنے کے لیے روانہ کر دیا۔ انہوں نے وہاں جا کر عربوں سے زبردستی زمینیں چھین لیں اور جو لوگ آسانی کے ساتھ اپنی املاک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو رہے تھے اُن کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ وہی لٹے پٹے مہاجرین ہیں جن کی دو پیڑیاں شام، مصر، لیبیا، لُبنان اور تُرکی وغیرہ کے مہاجر کیمپوں میں آج بھی اپنے رنج وغم اور تباہ حالی کی داستان کے تانے بانے بُن رہے ہیں۔ برطانوی وزیر اعظم بلیفورڈ نے یہود کو ہوم لینڈ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ بے شک اپنے وعدے پر کاربند رہ کر اپنی ناجائز مقبوضات اور نو آبادیات میں یہود کو ہوم لینڈ دیتا تو بھلا کسی کو اعتراض کیوں ہوتا مگر عربوں کو ہوم لیس (Homeless) کر کے یہود کو ہوم لینڈ دینا صاف صاحب موصوف کے متعصبانہ اپروچ اور خباثت کی ایک ادنیٰ ترین مثال ہے۔

برطانیہ اور امریکہ کی پیٹھ ٹھونکنے کی پاداش میں جب اسرائیل کے قدم جم گئے تو اُس نے جارڈن پر حملہ کیا، مصر کی چند گھنٹوں میں اینٹ سے اینٹ بجادی، ایران کے ایٹمی ری ایکٹر پر حملہ کر دیا اور اُس کے بعد موجودہ وقتوں میں تیونس، لیبیا، الجزائر، یمن، مصر، عراق، افغانستان، سومالیہ وغیرہ مسلم ممالک میں تخریبی کاروائی کر کے اور سازشیں رچ کر اپنی فطری شیطنت اور خباثت کو بروئے کار لا کر بھائی کو بھائی سے لڑایا۔ بیٹے سے باپ کا خون بہایا اور ہر پاور فُل مسلم سربراہ مملکت جیسے ذوالفقار علی بھٹو، ضیاء الحق، شاہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فیصل، صدام حسین، کرنل قذافی وغیرہ کو اپنی مملکت وسلطنت کے ساتھ نیست و نابود کرایا۔ ایسا بھی نہیں کہ یہود کوئی اعلیٰ وارفع انسانی برادری یا عزت مآب لوگ ہیں ——— بلکہ یہود ایک دھتکاری ہوئی، بے حیا قاتلانِ پیغمبر قوم ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ دو پیغمبروں نے اُن کو بددعا دی ہے (القرآن مائدہ: ۷۸، بنی اسرائیل: ۵، ۷، انجیل متی ۲۳: ۳۸ و ۲۴: ۲)۔

اگرچہ دنیا کی سُپر پاورس کا یہود کو آشیرواد حاصل ہے کیونکہ مجموعی طور پر تمام بڑی طاقتیں، اسلام دشمن ہیں مگر پھر بھی وہ تین میں نہ تیرہ میں ہوتے اور اُن کا وجود اس وجہ سے مستحکم ہے کیونکہ مسلمانوں نے اپنا وطیرہ ترک کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو پس پُشت ڈال دیا ہے اور قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ مسلمانوں کے خوار ہونے اور یہود کے چمکنے کی یہی وجوہات ہیں جب کہ سابقہ ایام میں معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔

یہ یہود کی ہی ایک پالیسی ہے کہ جو لوگ ہدف پر ہوں، ختم کرنے ہوں، اُن کی زمینیں چھین لو، بے گھر کر دو تو خود بخود اس قوم کا یا اُن لوگوں کا وجود مٹ جائے گا۔ ہماری ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں یہود پالیسی عملاً لاگو ہے۔ جس طرح یہود نے عربوں سے زمین اور املاک چھین کر اُن کو بھگایا (کیونکہ پھر وہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے) بعینہٖ یہاں پر بھی وہی کچھ ہونے لگا ہے۔ جموں کے مضافات جو آج سے سو برس قبل جنگلی جانوروں اور رینگنے والے زہریلے حشرات الارض کے مسکن تھے، ڈوگرہ مہاراجوں نے دودھ کا کاروبار کرنے والے مسلمان طبقہ کو وہ جنگل آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی تاکہ تکلیفیں وہ اُٹھائیں اور صوبہ جموں وسیع ہو۔ آج جب وہ جنگل خوبصورت زمین کے قطعے اور پتھریلے ٹیلے میدانوں کی صورت میں جلوہ گر ہو گئے ہیں تو اُن پُشتنی باشندوں کو دیس نکالا ملا رہا ہے تاکہ اول تو مسلم دشمنی کی خانہ پُری ہو اور دوسرے مغربی پاکستان کے مہاجرین جن کو شہری حقوق مل گئے ہیں کو اُن زمینوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں بسایا جائے اور اس طرح سے ریاست جموں وکشمیر دوسرے فلسطین کی شکل میں دنیا کے نقشے پر اُبھر رہی ہے۔ وادیٔ کشمیر کے جن لوگوں نے وہاں پہلے ہی سے زمینیں خرید کر مکان بنائے ہیں وہ کسی خوش فہمی میں نہ رہیں۔ جب آتش فشان پہاڑ پھٹتا ہے تو اُگلنے والا لاوا بہت کچھ خس وخاشاک کر دیتا ہے ۔

اندھیری رات طوفانی ہوا ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اُس پر ناخدا تم ہو
(سرشار سیلانی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پندار کا صنم کدہ

بڑھ کے ہر اک سے اگر ہاتھ ملانے لگ جائیں
ہم کو دشمن بھی کلیجے سے لگانے لگ جائیں
(جانی شیدا)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پندار کا صنم کدہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نبیٔ برحق معلم انسانیت ﷺ کی امتیازی شان یہ تھی کہ آپ کو ''جوامع الکلم'' عطا کئے گئے تھے یعنی ''جوامع الکلم'' حضور ﷺ کے وہ مختصر ترین کلمے ہیں جو قلیل الفاظ میں معنوی لحاظ سے بڑی وسعت رکھتے ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنیٰ پیش کرنے میں سرور عالم ﷺ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ اسے خصوصی عطیاتِ رب میں شمار کرتے تھے۔ یہاں بات پھر سلام کے بارے میں آجاتی ہے۔ اگر آپ ﷺ نے مختصر ترین الفاظ میں فرمایا ''وافشو سلام'' تو ہم نے اُسے خالی خولی اور ظاہری معنیٰ دیئے کہ سلام کو پھیلاؤ اور سلام کرنے والے کے لیے دس ثواب لکھے جائیں گے۔ مگر حق یہ ہے کہ ان الفاظ پر سنجیدگی کے ساتھ اور بہت گہرائی میں جا کر غور وفکر کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اگر آپ واقعیً اس بارے میں سنجیدہ ہیں تو غور فرمایئے کہ سلام پھیلانے سے ظاہری طور پر کیا ہوتا ہے۔ اگرچہ ہم اس فلسفیانہ اور حکیمانہ ارشاد نبوی ﷺ کی گہرائی تک جانے کے متحمل نہیں ہو سکتے مگر پھر بھی اتنا تو جان سکتے ہیں کہ سلام پھیلانے سے ہمارے مشاہدے میں کیا آیا ہے اور ہم کن تجربات سے گذرے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں سلام پھیلانے سے غیر اور انجانے لوگ متعارف اور جان پہچان والے بن سکتے ہیں۔ اس کا مجھے فی الواقعہ ذاتی تجربہ ہے۔ مثال کے طور پر آپ صبح کو اپنے کام کاج یا دفتر کے لیے گھر سے نکلتے ہیں اور مطلوبہ جگہ پر پہنچتے پہنچتے آپ ہر ایرے غیرے کو سلام کرتے جاتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مہینے کے بعد آپ کے واقف کاروں اور جان پہچان کے لوگوں میں کم وبیش پچاس لوگوں کا اضافہ ہو چکا ہوگا اور اس طرح سے ایک سال کے اندر آپ کی جان پہچان کے لوگوں میں یا بہ الفاظ دیگر آپ کے حلقہ احباب میں کئی لوگوں کا اضافہ ہو چکا ہوگا اور اس تعارف کا آپ کو خاطر خواہ دنیاوی فائدہ بی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ملے گا۔ آپ کا کام جس جگہ جس دفتر میں، کاروباری ادارے میں، پبلک سیکٹر میں کہیں بھی اٹکے گا نہیں، آسانی کے ساتھ ہو جائے گا اور آپ کو رشوت بھی دینا نہیں پڑے گی۔ گویا صرف ایک سلام نے آپ کو سہولیت بھی پہنچائی اور آپ نے ایک سماجی جرم کا تدارک بھی کیا اور ساتھ میں ہی آپ کی جان پہچان مزید سینکڑوں لوگوں کے ساتھ ہو گئی۔

اپنی ہی مستی میں اکڑفوں دکھانے والے جوانی کے نشے میں چور نوجوان اور مسرفین، قرآن حکیم نے متکبر، دولت مند، آسودہ حال اور فارغ البال لوگوں کو مسرفین کہا ہے۔ آپ اُن کو سلام کر کے دیکھئے اُن میں ضرور لچک پیدا ہو جائے گی۔ کچھ نہ سہی کم از کم نوجوان شرمندہ ضرور ہو جائیں گے۔ اور اس طرح سے آپ نے ایک بہتر بڑا ثواب کا کام کیا۔ صرف سلام کیا اور تکبر کو پاش پاش کر دیا۔ گویا صرف لب ہلا کر "پندار کا صنم کدہ ویران کر دیا"۔

آزمایئے اور میری بات کو گرہ میں باندھیے۔ آپ بحیثیت گھر کے بڑے اپنے گھر والوں کو، بچوں کو پہل کر کے سلام کیا کریں اور کچھ وقت کے بعد آپ دیکھیں گے کہ سب آپ کے گرویدہ ہو جائیں گے اور آپ کے ساتھ محبت کرنے لگیں گے۔ دوسری نیکی یہ ہوگی کہ آپ نے اپنے پریوار میں سلام کو متعارف و مروج کرا کے ایک اسلامی اور سماجی کار عظیم انجام دیا۔

یہاں یہ اہم بات بتانا ضروری ہے کہ سلام صرف سُنت ہی نہیں بلکہ فرض بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لیے اسے ایک تحفظ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم سورۂ نور اور سورہ نساء میں پڑھتے ہیں کہ رب العالمین نے تاکید کی ہے کہ اپنے یا غیروں کے گھروں میں تب تک داخلہ مت لو جب تک نہ سلام کر لو یا سلام کہہ کر اجازت طلب کر لو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک پاکیزہ عمل اور تحفہ ہے۔

"السلام علیکم" مسلمانوں والا یہ سلام حضرت آدمؑ سے ہی چلا آرہا ہے اور ہر آسمانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دین میں یہی سلام رائج تھا۔ سلام مسلمانوں کے باہمی حقوق میں شامل ہے۔ اِس کے پھیلانے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور نفرت وکدورت دور ہو جاتی ہے۔ ہر شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا اور سلام میں پہل کرنا ایک بہت ہی اچھی صفت ہے۔ آپسی الفت و مودت کے علاوہ ربط و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے لیے احترام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک حدیث پاک مسلم شریف میں درج ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جا پاؤ گے جب تک نہ ایمان لاؤ گے اور مومن نہیں بنو گے۔ اور مومن تب تک نہیں بنو گے جب تک ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہیں کرو گے۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا میں تم کو ایک ایسی چیز بتلاتا ہوں جس کو اختیار کرنے سے تم لوگ آپس میں محبت کرنے لگو گے، اور وہ چیز یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ (وافشو سلام)۔

امریکی فوج کے ایک میرین سعودی عربیہ میں تعینات تھے۔ وہ ڈیوٹی کے ایام کے دوران ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ بعد میں ریٹائرمنٹ کے بعد وہ گیارہ برس تک یونیورسٹی میں جا کر اسلامی تعلیم سے سرفراز ہوتے رہے۔ ہمارے یہاں کے ایک کشمیری ڈاکٹر صاحب (دونوں کے دینی اُستاد ایک ہی صاحب ہیں) نے اُن سے سوال کیا کہ اسلامی تعلیم میں اُن کو سب سے زیادہ کس چیز نے متاثر کیا۔ جواب میں انہوں نے کہا سلام نے۔ وہ اس طرح کہ عیسائی لوگ صبح کو ملنے پر دعا دیتے ہیں۔ تمہاری صبح بخیر ہو، دوپہر میں دوپہر بخیر اور شام اور رات کو گُڈ ایوننگ یا گُڈ نائیٹ وغیرہ۔ حالانکہ کسی کو کسی بھی چیز پر اختیار نہیں اور پھر ستھر اسی سال کے بعد یہ عیسائی مرجاتا ہے تو اُس کی قبر پر کتبہ چڑھتا ہے جس پر تحریر ہوتا ہے تم پر خدا کی سلامتی ہو (Rest in peace)۔ مگر اسلام میں تو زندوں میں ہی ایک مسلمان دن میں بیسوں بار اُس دعا سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ خود بھی ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی دعاؤں میں شامل کر لیتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کی اس سے بڑی اور سلامتی کیا ہوسکتی ہے کہ ہم پر پل ہر وقت ایک دوسرے کو سلامتی کی دعاؤں کی بوچھاریں کرتے رہتے ہیں اور اس سے بڑی کامیابی، انس والفت، پیار ومحبت اور آپسی بھائی چارے کی اور کون سی سبیل ہوسکتی ہے۔بقول جانی شیدا اچل پوری ؎

بڑھ کے ہر اک سے اگر ہاتھ ملانے لگ جائیں
ہم کو دشمن بھی کلیجے سے لگانے لگ جائیں
ایک پل میں وہ اُتر آئے نظر سے دل میں
اس سفر کے لیے اوروں کو زمانے لگ جائیں

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نشاۃ ثانیہ

بات حق ہے تو پھر قبول کرلو
یہ نہ پوچھو کہ کون کہتا ہے
(دوا کرراہیؔ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نشاۃ ثانیہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجاہد اسلام فخر ملت، عظیم سالار، بے بدل سپاہی، فاتح فلسطین اور زاہد یکتا حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ اصل میں مشرقی آذربائیجان کے رہنے والے اور گُردنسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے دادا ہجرت کر کے تکریت بغداد آ کر آباد ہو گئے تھے۔ اُن کے والد کا نام ایوب نجم الدین تھا اُس مناسبت سے اُن کا پورا خاندان ایوبی کہلاتا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اُن سے ایک بہت بڑا کام لینا تھا، اس لیے اُس کا سامان تائید غیبی سے خود بخود ہوا۔ ایک متوسط درجہ کے گُرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے اُن کی نشو ونما ہوئی۔ مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ پر آنے سے قبل کوئی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ گُرد نوجوان فاتح بیت المقدس اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا۔ اُن کے ولی نعمت عظیم مجاہد پاکباز سپاہی حضرت نور الدین زنگیؒ نے اُن کو بے حد اصرار بلکہ حکم دے کر مصر روانہ کیا حالانکہ بذات خود اُنہیں مصر جانا سخت ناگوار گذرا۔

مصر میں عُبیدی سلطنت پورے دو سو اڑسٹھ برس (۲۹۹۔۵۶۷ھ) تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی۔ مورخین اور محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عُبیدی خاندان کا خاندانِ نبوت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اُن کا مورث اعلیٰ عُبید نامی کوئی یہود یا مجوسی تھا۔ اہلِ مصر کے لیے وہ سخت ابتلا کا زمانہ تھا اور وہ دور حکومت اعتقادی عجائبات، عجیب وغریب احکامات اور مضحکہ خیز قوانین سے پُر تھا۔ مثلاً ہلال دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ نماز چاشت اور تراویح پڑھنے پر مناہی تھی۔ ٹیکسوں کی بھرمار تھی اور ایسے بلیبیوں قوانین رائج ہو گئے تھے جن سے لوگ سخت پریشان تھے۔ جب اُس سلطنت کا خاتمہ ہوا تو مسلے کچلے لوگ اور فاقہ زدہ عوام نے مجموعی طور پر حد سے زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔ مصر پہنچ کر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے لیے میدان صاف ہو گیا اور پھر جب زمام حکومت ہاتھ میں آ گئی تو اُن کی زندگی یکسر بدل گئی۔ اُن کے دل میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ خیال گھر کر گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اُن سے کوئی بڑا کام لینا ہے۔ سلطان کے معتمد خاص قاضی بہاؤ الدین جو تا حیات سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہے کا کہنا ہے کہ حکومت کی بھاگ دوڑ ہاتھ میں آجانے کے بعد دُنیا اُن کی نظر میں ہیچ ہوگئی۔ شکر گذاری کا جذبہ دل میں موجزن ہوا، عیش و عشرت اور تفریحات سے مُنہ موڑ لیا اور ایک سنجیدہ جفاکش زندگی اختیار کی جس میں آئے دن ترقی ہوتی گئی۔ اُس نے اپنی تمام تر توجہ اس بات کی طرف مبذول کی کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم ہو جائے جس پر غیر مسلم کا سایہ بھی نہ پڑے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''جب خدا نے مجھے مصر دیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ فلسطین بھی عنایت کرے گا''۔

مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس نوے برس تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا۔ پھر آخر کار مختلف جنگی کاروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں فیصلہ کُن حیثیت رکھتا ہے اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کو پاش پاش کر کے صلیبوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ یہ جنگ سنیچروار ۲۷ رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) کو پیش آئی جس میں مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ میدان جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک انگریز مورخ لین پول اپنی کتاب ''سلطان صلاح الدین'' میں لکھتا ہے:

''بادشاہ یروشلم گائی اُس کا بھائی حنین کا بادشاہ ریجنالڈ، تینین کا ہمفری، بڑے بڑے عیسائی شرفاء اور لشکر کے چیدہ چیدہ جوانمرد گرفتار کر لئے گئے۔ فلسطین کے عیسائی بہادر شاہ سوار، پیدل سپاہ وغیرہ سب تیس تیس ایک ایک مسلمان سپاہی کی تحویل میں خیمے کی رسیوں سے بندھے ہوئے لے جاتے دیکھے گئے۔ ٹوٹی پھوٹی صلیبوں اور کٹے ہاتھ پاؤں، لاشوں کے ڈھیروں میں پتھروں کی طرح لگتے تھے۔ کٹے ہوئے سر اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے اور ایک سال کے بعد سفید سفید ہڈیوں کے تودے اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈھیر لوگوں کو دور سے نظر آتے تھے"۔

یہی انگریز مورخ آگے لکھتا ہے کہ:

"جنگ ختم ہونے کے بعد سلطان نے خیمہ نصب کرایا اور حکم دیا کہ قیدیوں کو حاضر کیا جائے۔ فلسطین اور کرک (حنین) کے بادشاہ اندر لائے گئے۔ سلطان نے فلسطین کے بادشاہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا۔ فلسطین کے بادشاہ نے پانی پیا اور کٹورا وائی کرک ریجنالڈ کی طرف بڑھایا جس پر سلطان ناخوش ہوا۔ اُس نے ترجمان سے کہا اسے کہو یہ پانی میں نے نہیں اس نے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ریجنالڈ سے کہا۔ جب پچھلے سال بیکس حجاج نے تم سے التجا کی تھی کہ ہم مقدس سفر پر ہیں ہمیں چھوڑ دو۔ تم نے اُن کو بڑے گستاخانہ لہجے میں کہا تھا۔ کہ اپنے محمد ﷺ سے کہو تمہیں رہائی دلوائیں۔ اور دوسری مرتبہ تم نے مکہ شریف اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنا چاہی۔ میں نے اُسی روز تمہیں قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اُسی توہین اور بے ادبی کا میں آج تم سے انتقام لیتا ہوں۔ ہاں! اگر اسلام قبول کر کے کلمہ پڑھتے ہو تو میں تمہیں معاف بھی کر سکتا ہوں۔ چونکہ اُس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس لیے سلطان نے میان سے تلوار نکال کر ریجنالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ یروشلم کا بادشاہ یہ دیکھ کر لرز گیا کہ اب اُسی کی باری ہے۔ مگر سلطان نے اُسے اطمینان دلایا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں۔ اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں۔ خیر اب جو گذر گیا، گذر گیا"۔

حُسنِ اتفاق دیکھئے کہ سلطان ۲۷ رجب کو بیت المقدس میں داخل ہوئے اور یہ وہی تاریخ تھی جس تاریخ کو حضور ﷺ معراج عالم سے مشرف ہوئے تھے۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد ہر طرف دعا، تہلیل و تکبیر کا شور بلند ہوا۔ مصر و شام سے علماء اور عام لوگوں نے بیت المقدس کا رُخ کیا جہاں نوے برس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھائی گئی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک عجیب منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں سے نظر آرہی تھی۔

مندرجہ بالا تاریخ ساز واقعے کی روشنی میں اب خود ہی اندازہ لگایئے بلکہ انصاف کی بات سوچیے کہ اسلام آپ کے اور میرے کمزور ایمان کی وجہ سے تابندہ و سرخرو نہیں ہوا تھا بلکہ شجر اسلام کو جب ایوبیؒ جیسے مجاہدین نے خون سے سینچا تب ہی آج یہ ایک تناور درخت کی طرح عالم دنیا پر چھایا ہوا ہے اور بلاشبہ اغیار کی آنکھوں میں کھٹکتا بھی ہے۔ دنیا میں بیسیوں باطل دین ہیں مگر اسلام ایک سچے دین کے خلاف کیوں آئے دن سازشیں اور فریب کاریاں رچی جارہی ہیں۔ عناد اور نفرت کی دیواریں کھڑی کی جارہی ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے چپے چپے کونے کونے میں جہاں پر بھی مسلمان ہیں، پریشان ہیں۔ مستورات کا ناموس تار تار ہے اور گھاس کٹنے کے مانند مسلمانوں کے سر کٹ رہے ہیں۔ وجہ صاف یہی ہے کہ ہم خوار ہوئے بے عزت و بے وقعت ہوئے فقط اسلامی تعلیمات اور قرآن چھوڑ کر۔ اور یہ بات گرہ میں باندھنے کی ہے کہ جب تک ہماری واپسی نہیں ہوتی ہماری عزت اور ہمارا وقار بلکہ اسلامی نشاۃ ثانیہ بھی ممکنات میں سے نہیں ہے۔

بات حق ہے تو پھر قبول کرلو
یہ نہ پوچھو کہ کون کہتا ہے
(دِوا کر راہیؔ)

❖❖❖

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شہزادہ بِسملؔ کی دیگر تصانیف

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہندو صحائف میں
- خدا کے لیے مجھے بچاؤ [جھیل ڈل کی فریاد]
- چلتے چلتے (جلد اول) [منتخب کالموں کا مجموعہ]
- چلتے چلتے (جلد دوم) [منتخب کالموں کا مجموعہ]
- خوشبو کی موت [افسانوی مجموعہ]
- رقصِ بسمل [افسانوی مجموعہ] (دوسرا ایڈیشن)
- سوزِ بسمل (دو ناولٹ)
- کہانی (زیر طبع)
- چلتے چلتے (جلد سوم) [منتخب کالموں کا مجموعہ]

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

AL-HAYA
PRINTOGRAP
GAWKADAL SGR #94